دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کا علمی و دینی مجلہ
ماہنامہ
الحق
زیر سرپرستی: شیخ الحدیث حضرۃ مولانا عبدالحق بانی و مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع پشاور (مغربی پاکستان)

لہ دعوۃ الحق

قرآن و سنت کی تعلیمات کا علمبردار

ربیع الثانی ۱۳۹۰ھ
جون ۱۹۷۰ء

جلد : ۵
شمارہ : ۹

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

مدیر ـــــــــ سمیع الحق

اس شمارہ میں

بدل اشتراک

مغربی اور مشرقی پاکستان سے -/۸ روپے، فی پرچہ ۷۰ پیسے
غیر ممالک بحری ڈاک ایک پونڈ، غیر ممالک ہوائی ڈاک دو پونڈ

سمیع الحق استاذ دارالعلوم حقانیہ طابع و ناشر نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ آغاز

انتخابات کا مرحلہ قریب ہونے اور حالات کی نزاکت کے ساتھ ساتھ اسلام پہ دل و جان سے ایمان رکھنے والے علمار حق کی جماعتوں کے باہمی اتحاد اور اتفاق کی ضرورت کا احساس بھی شدّت سے بڑھتا جا رہا ہے مگر وا اسفا کہ باطل کے خلاف آہنی دیوار اور جسدِ واحد بن جانے کی بجائے علمار کرام کا باہمی اختلاف اور افتراق بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ اور اب تو طرفین سے جذبات کی شدت ایسے مرحلہ میں داخل ہو گئی ہے کہ اتفاق اور مفاہمت کی ساری کوششیں رائیگاں معلوم ہونے لگی ہیں۔ اور یہ اس دور کا ایک ایسا المیہ ہے جس کا خمیازہ ہمیشہ کیلئے پوری ملت کو بھگتنا پڑے گا۔ ہمارا حسنِ ظن ہر حال میں یہی ہے کہ یہ اختلاف مشرب اور مسلک یا مقاصد اور عزائم کا نہیں، طریق کار اور سیاسی موقف کا ہے مگر اس نے ایک دوسرے کی تحقیر واستخفاف، بہتان تراشی اور الزام و جواب الزام کا رنگ اختیار کر لیا ہے۔ اور فائدہ اگر پہنچ رہا ہے تو بدعات اور خواہشات کے علمبرداروں، باطل کے علمبرداروں اور لادینیت کے دعویداروں کو ـــــ اس حقیقت سے شاید ہی انکار کیا جا سکے۔ کہ ہماری اسی باہمی طعن و تشنیع سے بحیثیت مجموعی پورے دین اور شعائر دین علمار اور اہل حق کی بے وقعتی ہو رہی ہے۔ ہم اپنے ہاتھوں طبقہ علمار کی تضحیک کا سامان پیدا کر رہے ہیں۔ اور اس صورتحال سے قبل اہل باطل کے کسی بلاک کو (خواہ اس کا تعلق دائیں بازو سے تھا یا بائیں سے) علمار کرام کے خلاف اس جرأت اور بیباکی سے زبان درازی کرنے کی جرأت نہ تھی جو اب اس باہمی اختلاف کے بعد پیدا ہو گئی ہے سامراج نواز جماعتیں علمار کے ایک گروپ کو آڑ بنا کر تمام علمار کے خلاف اپنے دیرینہ جذبات کی آگ بجھانا چاہتی ہیں۔ ان کی عداوت صرف مفتی محمود یا مولانا ہزاروی سے نہیں بلکہ ان تمام علمار سے ہے جن کے مجاہدانہ مساعی نے ان کی استعماری یا دین میں تحریف کی کوششوں کو خاک میں ملا دیا تھا۔ اس طرح کمیونسٹ بلاک اور سوشلسٹ ذہنیت بھی تھانوی جماعت (مرکزی جمعیۃ) کو نشانہ بنا کر ان تمام شعائر اور ضروریات دین تک کا استخفاف کرنا چاہتا ہے جو آگے چل کر ان کے لادین عزائم میں سدِّ راہ بن سکتے ہیں۔ انہیں یقین ہے کہ وقت آنے پر سارے علمار متحد ہو کر ان کے ملحدانہ مقاصد کو ہرگز نہ پنپنے دیں گے۔ تو کیوں نہ آج علمار کے ایک گروہ کو نشانہ

بنا کر وہ تمام اسلحہ بے کار کر دیا جائے جو آئندہ ہمارے خلاف استعمال ہو سکتا ہے۔ اسی طرح سامراجی ذہنیت کا حال ہے جو تھانوی حضرات کی پناہ لیکر علماء کی ایک بہت بڑی قوت سے نمٹنا چاہتی ہے۔ دونوں ذہنیتوں کا پریس اس کی مثالوں سے بھرا پڑا ہے۔ مثال کے طور پر کراچی کے ایک کمیونسٹ ہفت روزہ کا فتویٰ نمبر ہمارے سامنے ہے ــــ ایک کم سواد طالب علم ۱۱۳ علماء کے فتویٰ کے بارہ میں کچھ رائے دینے کی پوزیشن میں نہیں ہے۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس فتویٰ کے عوامل یا محرکات مخلصانہ تھے، یا اسکی پوزیشن کلمۃ حق ارید بہ الباطل۔ یا خوارج کے نعرۂ ان الحکم الا للّٰہ جیسی تھی۔ فتویٰ دینے والے بہت سے اکابر کا اخلاص تدیّن اور تقویٰ اس رائے قائم کرنے سے ہمیں روک رہا ہے اور یہ فیصلہ بھی سیاسی تدبّر اور سوجھ بوجھ والے حضرات ہی کر سکتے ہیں کہ موجودہ اشتعال، اضطراب اور غلط فہمیوں بھری فضا میں کسی علمی اور دینی اتھارٹی ــــ حقِ فتویٰ ــــ کو اتنی بے دردی سے خارزار سیاست میں الجھانا بہتر تھا یا نہیں۔ دلوں کا بھید اللہ ہی جانتا ہے۔ ہم بہر حال حسنِ ظن پر مامور ہیں۔ اکابر کی باتیں اکابر ہی سمجھ سکتے ہیں۔ مگر مذکورہ شمارے کا خاص نمبر بجائے اسکے کہ فتویٰ کے بزعم خویش محرکات اور عوامل کو نشانا بناتا اور اگر اسے اس خاص فتویٰ سے اختلاف تھا تو اس کے اغراض و مقاصد کو مشتبہ ٹھہراتا مگر اسلام کے دائرہ اور حدود کو بہر حال تسلیم کر کے علماء حق کے مسلّمہ حقّ افتاء کو تسلیم کرتا کیونکہ کسی ایک ڈاکٹر کی تشخیص اگر غلط سمجھ لی جائے تو دنیا بھر کے معالجوں سے علاج اور تشخیص کا حق نہیں چھینا جاتا۔ مگر نہیں بجائے اس کے اس ضخیم نمبر میں اول تا آخر تمام شعائر دین کا استخفاف کیا گیا۔ چودہ سو سالہ تاریخ کے اکثر فتووں کو نشانۂ تضحیک بنایا گیا ــــ خلیفہ عبد الحکیم جیسے تجدّد زدہ لوگوں کے علماء دشمن فرسودہ مضامین کی تشہیر کی گئی اور تمام علماء کو کلیسا کے راہبوں اور فریسیوں سے تشبیہ دی گئی اور پھر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ اسلام گویا ایک ایسا لیسدار گوند ہے جو ایک دفعہ چپک جائے تو کفر و الحاد کے کسی غلیظ تالاب میں عمر بھر غوطے لگاتے رہنے سے بھی زائل نہیں ہو سکتا نہ پچھلے چودہ سو سال میں کسی کو یہ حق یا اہلیت نصیب ہوئی ہے جو کسی فرد یا گروہ پر کفر اور الحاد کا فتویٰ لگا دے ــــ یہ سارا مواد اس خطرناک لادینی ذہنیت کی غمازی کر رہا ہے کہ ان لوگوں کو علماء کے کسی گروہ سے گروہدگی ہے نہ عداوت ــــ دشمنی ہے تو تمام اسلامی شعائر اور اسلام کے علمبردار علماء کرام سے ہے ورنہ وہ کسی ایک فتویٰ سے اختلاف کی آڑ میں خیر القرون سے لیکر اب تک تمام علماء امت کو اپنے تمسخر کا نشانہ نہ بناتے ــــ وہ سب کو اپنی راہ کا

سمجھتے ہیں اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے جسے نہ تو تھانوی حضرات گوارا کر سکیں گے نہ مفتی محمود کی جمعیۃ العلماء اسلام۔ دوسری مثال ان لوگوں کی ہے جو نصف صدی سے اسلام کے واحد اجارہ دار بننے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ان کی جرأت رندانہ نے علماء اور مجددین امت تو کیا اسلام کی اوّلین جماعت (جو پورے اسلام کیلئے شاہد عدل کی حیثیت رکھتی ہے۔) صحابہ کرامؓ تک کو معاف نہیں کیا وہ دین اور اصول دین کی ایک ایک کڑی پر مشق ستم کرنا چاہتے ہیں۔ مگر اپنے خلاف کسی بڑے سے بڑے خدا ترس اور متبحر عالم کی تنقید بھی گوارا نہیں کر سکتے اور ان کی نگاہ میں بھی علماء حق کی حیثیت ان فریسیوں جیسی ہے جو ان کے زعم باطل میں اسلام کے احبار و رہبان بن چکے ہیں — علماء حق کی ایک مضبوط جماعت بلکہ سب کے سب دینی مسئولیت کی بناء پر اول دن سے ان کے مکروہ ارادوں کو بے نقاب کرتی چلی آرہی تھی۔ اور یہ لوگ دلوں میں تمام علماء کے خلاف نفرت اور عداوت کے جذبات پروان چڑھا رہے تھے شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ اور مولانا لاہوریؒ سے لیکر کسی دینی مدرسہ کے ادنیٰ طالب علم اور کسی مسجد کے خطیب تک سب کے سب ان لوگوں سے امت کو متنبہ کرتے چلے آرہے تھے —— مگر بدقسمتی یا ان لوگوں کی درپردہ عیاریوں کی وجہ سے علماء دیوبند کی صفوں میں شگاف پڑ جانے سے انہیں سہارا ملا اور ساری تنظیم پورا پریس چند افراد کو سوشلسٹ اور ملک دشمن ہونے وغیرہ کا طعنہ دے دیکر تمام علماء حق کے خلاف نفرت اور بیزاری کی فضا قائم کرنے پر تل گئے بظاہر ان کا نشانہ جمعیۃ العلماء اسلام ہے مگر تھانوی اکابر سے بھی وہ اپنے بارہ میں کسی ادنیٰ مخالفت یا کسی سنجیدہ اور علمی تنقید برداشت کر سکنے کا حوصلہ اپنے اندر نہیں پا سکتے اور بحیثیت مجموعی وہ ایک گروہ کی آڑ لیکر عمر بھر کا جذبۂ انتقام سب کے خلاف نکالنا چاہتے ہیں۔ الغرض اس قسم کے تمام لوگ اس اختلاف کو خوب خوب ہوا بھی دے رہے ہیں۔ اور فائدہ بھی اٹھا رہے ہیں۔ پھر اس کے ساتھ ہی مسلمانوں کے حق میں اس اختلاف کے مضر ہونے کی دہائی بھی دے رہے ہیں۔ اور اس طرح ایک تیر سے کئی شکار کھیلے جا رہے ہیں — ان حالات میں صاف دل اور خالی الذہن مخلص مسلمان بجا طور پر ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے ہیں، کہ علماء کے اس باہمی جنگ و جدل میں وہ کونسا راستہ منتخب کریں۔ نتیجۃً دھچکہ پورے اسلام اور اسلامی مقاصد کو لگ رہا ہے۔ طرفین کے سامنے تو عموماً اعتقاد اور محبت رکھنے والے اور جذباتی لوگوں کا ہجوم ہوتا ہے اور چاروں طرف سے مرحبا اور تحسین کی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ مگر عام لوگ جو المناک تبصرے اسی اختلاف و افتراق کے بارہ

میں کرتے ہیں۔ دونوں طرف کے اکابر کو بہت ہی کم اس کا سامنا کرنے کا اتفاق ہوتا ہے سننے والے تڑپ اٹھتے ہیں۔ مگر فریاد کریں تو کس سے ۔؟ پھر شکوک و شبہات کی بوچھاڑ فضاؤں میں چھوٹوں کی بات بڑوں پر کب اثر انداز ہو سکتی ہے۔ پھر اپنی ویرانی اور بربادی کا ماتم و شیون کرنا کس کے بس میں ہے ؎

قومی ہم قتلوا امیم اخی   واذا رمیتہم لیصیبنی سہمی

صد حیف کہ جو جماعت اشداء علی الکفار رحماء بینہم کا ایک جیتا جاگتا نمونہ تھا اور جو لوگوں کو یسّرا ولا تنفّرا کا سبق دینے پر مامور تھا اور جس کی دعوت پوری امت مسلمہ کو یہ بھی کہ ولا تنازعوا فتفشلوا وتذھب ریحکم (آپس میں مت لڑو ورنہ تم میں سستی اور کمزوری آجائے گی اور دشمن کے مقابلہ میں تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔) ـــــ اور جسے قریبی اسلاف نے بھی اختلاف رائے کے باوجود ایک دوسرے کی قدر و منزلت میں اپنی جان چھڑکنے کا درس دیا تھا، جو فرق مراتب نہ کرنے کو زندقہ سے کم نہ سمجھتے تھے ـــــ اور وہ جو خلق مجسم تھے، جن کی محبت بھی اور بغض بھی خالص اللہ ہی کے لئے ہوتا تھا۔ اُس قدوسی طبقہ کے وارث آج برسر بازار ایک دوسرے سے برسر پیکار ہو کر دشمنوں کی شماتت کا سامان کر رہے ہیں۔ فالرزیّۃ کل الرزیّۃ۔ خلوص کی جگہ نفسانیت اور حمیّت دین کی جگہ تعصب اور تحزّب نے لے لی۔ فانّا للہ وانا الیہ راجعون۔ ؎

یا ناعی الاسلام قم فانعہ   قد زال عرفٌ وبدا منکر

یہ سطور لکھتے وقت ایک طرف اپنے موجودہ قابل احترام بزرگوں کی عظمت اور بلندی اور اپنی بے مائیگی و پستی ایک حقیقت مجسّم بنکر سامنے کھڑی ہو گئی ہے۔ دوسری طرف اس جرأت رندانہ پر دل و دماغ لرزاں و ترساں ہے کہ کہیں اس نالۂ نارسا کو شوخی اور گستاخی سمجھ کر موردِ عتاب نہ بنایا جائے۔ مگر یہ داستانِ ویرانی بھی اپنی ہی ہے۔ اور شکوہ و ماتم بھی اپنے آشیانے کا ؎

اے چشم اشکبار ذرا دیکھ تو سہی   یہ گھر جو بہہ رہا ہے کہیں تیرا گھر نہ ہو

★

ربیع الاول کے دوسرے ہفتہ میں ڈھاکہ کی مقامی سیرت کمیٹی کی دعوت پر حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ کی معیت میں راقم الحروف اور محترم قاری سعید الرحمان صاحب کو ڈھاکہ جانا پڑا۔

بعض عوارض کی وجہ سے قیام دو ہی دن رہا ایک دن ڈھاکہ اور دوسرے دن میمن سنگھ جانا پڑا تیسرے دن واپسی ہوئی، اتنے مختصر وقت میں جو دو ایک جلسوں ہی میں گذرا، مشرقی پاکستان کے تازہ حالات کے بارہ میں کوئی رائے قائم کرلینا مشکل سی بات ہے۔ تاہم یہ بات سرسری جائزہ سے بھی واضح ہوجاتی ہے کہ مشرقی پاکستان میں خطرات اور اس کے بیرونی اور اندرونی محرکات یہاں کی بہ نسبت اگرچہ زیادہ ہیں مگر پھر بھی وہاں کے لادینی عناصر بالخصوص سوشلزم کی قوت کے بارہ میں عموماً جو تاثر قائم کیا جارہا ہے۔ وہ مبالغہ پر مبنی ہے اور کچھ خاص سیاسی مقاصد اس پروپیگنڈہ میں کارفرما رہتے ہیں۔ بحمداللہ وہاں کے عوام کی اکثریت مخلص اور دیندار ہے۔ بلاشبہ علاقائیت، خود مختاری، بنگلہ قومیت کے ساتھ ساتھ طبقاتی منافرت، اور سوشلزم کی تحریک بھی بڑے زور شور سے اٹھائی گئی۔ مگر دینی طبقوں اور علماء کرام کی انفرادی اور جماعتی کوششوں اور سب سے بڑھ کر عوام کی شدید معاشی بدحالی کے باوجود دینی شعور کی پختگی اور ایمان کی صلابت نے ان عناصر کے حوصلے کافی حد تک پست کر دئیے ہیں۔ اور اب وہ لوگ بھی انتخابی مہم میں قرآن وسنت اور خلافت راشدہ کا نام لینے لگے ہیں۔ جو سوشلزم اور بنگلہ قومیت کے لئے سر دھڑ کی بازی لگانے کا اعلان کئے پھرتے تھے۔ سوشلسٹ ذہنیت کئی دھڑوں میں بٹ گئی ہے۔ بھاشانی گروپ تین حصوں میں تقسیم ہوگیا ہے۔ اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ احساس شکست اور حالات ناسازگار ہوجانے کے تصور نے ان عناصر کو مایوسی کے عالم میں دہشت پسندی سے کام لینے پر مجبور کر دیا ہے۔ موجودہ گھیراؤ، ہڑتال اور بموں کے واقعات سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ تاہم ایسے لوگ اتنا جلد ہار ماننے والے نہیں اور خطرہ اُس وقت تک موجود رہے گا جب تک وہاں کے معاشی مسائل (جو بہت گھمبیر اور واقعی توجہ طلب ہیں) کا حل صحیح اور مکمل اسلام کے ذریعہ نہ نکالا جائے۔

بعض عناصر نے اسلام اور سوشلزم کے نام پر نظریاتی جنگ برپا کرنے میں جو انتہائی رویہ اختیار کر رکھا ہے اس سے مرض بڑھ سکتا ہے زائل نہیں ہو سکتا۔ افلاس اور غربت کے مارے عوام کو نفرت اور عداوت کی بجائے شفقت، محبت اور حکمت کے ساتھ گلے لگا کر ہی سوشلزم کے دام زریں سے بچایا جا سکتا ہے۔ کفر و اسلام کے دو دھڑے بنا کر سادہ اور خالی الذہن عوام لادینیت کے علمبردار سیاستدانوں کی گرفت میں چلے جائیں گے۔ ہمارے وہاں کے ایک ثقہ دوست کے خیال میں یہاں کے کچھ انتہا پسند لیڈروں کو وہ لوگ مغربی پاکستان

کے مفاد پرست طبقہ کا نمائندہ سمجھتے ہیں جس کے خلاف (غلط یا صحیح) وہاں شدید جذبہ پایا جاتا ہے۔ اس کا بالواسطہ اثر اسلام کے خلاف پڑ سکتا ہے۔ وہ لوگ سمجھتے ہیں کہ اسلام اور کفر کا سوال کھڑا کر کے اسطرح ہمارے استحصال کے لئے راہ ہموار کی جا رہی ہے۔ جبکہ بنگال کے مسلمان دینی لحاظ سے ہمارے ہاں سے زیادہ غیور اور جسور نہیں تو کم بھی نہ ہوں گے۔ اس کے علاوہ عوام کی دینداری علماء اور دینی طبقوں کے مساعی کے باوجود بعض ایسے عوامل کارفرما ہیں جو بظاہر معمولی بھی لیکن وہاں کی ملی و فکری اور قومی زندگی کے لئے نہایت نقصان دہ ثابت ہو سکتے ہیں۔

سوشلزم کی پرچار لٹریچر کی شکل میں بڑے زور شور سے جاری ہے۔ بنگلہ زبان سمجھ میں نہ آسکنے کے باوجود بھی ہر بک سٹال اور مکتبہ کی کتابوں پر لینن اور کارل مارکس کی تصاویر سوشلسٹ لٹریچر کی غمازی کرتے ہیں۔ اور بڑی خرابی یہ ہے کہ لٹریچر کلچر اور ثقافت کے میدان میں تو گویا بھارت چھایا ہوا ہے۔ میمن سنگھ سے ٹرین میں آتے ہوئے ایک لڑکا جو کتابوں کا بڑا پلندہ اٹھائے ہوئے تھا ہمارے رہبر سفر مولانا محی الدین خان صاحب نے کسی پاکستانی مطبوعہ کتاب یا ناول کا پوچھا تو اس نے نفی میں جواب دیا۔ سوء اتفاق کہئے یا کچھ اور اس کے پاس جتنا لٹریچر بھی تھا۔ بھارت سے درآمد شدہ تھا۔ ان افسانوں، ناولوں ڈراموں اور کتابچوں میں ظاہر ہے کہ وہی زہر بھری ہو گی جو ہماری قومی یکجہتی، ملی نظریات بالخصوص نظریۂ پاکستان کے لئے نہایت مہلک ثابت ہو رہا ہے۔ اخلاق اور جنسی انارکی پھیلانے میں بھی یہ لٹریچر پیش پیش ہے جسے عموماً ہندو لکھ کر شائع کرتے ہیں۔ اور زیادہ تر ایسی کتابیں کلکتہ وغیرہ سے پہنچ کر نئی پود اور نوجوان ذہن کے اخلاق و کردار کو برباد کر رہی ہیں ــــــ کسے معلوم نہیں کہ "متحدہ بنگالی قومیت" مشرقی پاکستان کی سالمیت کے لئے ایک نہایت خطرناک چیز ہے مگر وہاں کے بعض سرکاری اور نیم سرکاری ادارے بھی اس بارہ میں دانستہ یا نادانستہ نہایت غیر محتاط واقع ہوئے ہیں۔ ٹیگور مشہور شاعر بنگلہ نیشنلزم کا بہت بڑا مناد تھا۔ اس کی برسی منانے میں ریڈیو، ٹیلی ویژن، بنگال اکیڈمی، بنگال ترقیاتی بورڈ قسم کے اداروں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور ان ہی نظریات کی پرچار کی گئی جن کا ٹیگور داعی رہا۔ قومی یکجہتی اور ملی نظریات کے ساتھ ایسا نامناسب طرزِ عمل اور غیر محتاط رویہ مشرقی پاکستان تک محدود نہیں ہمارے ہاں بھی اس سے زیادہ بے احتیاطی کا مظاہرہ ہونے لگتا ہے۔ مشرقی پاکستان میں یہ چند ایک ایسے امور ہیں جن میں وہاں کی ہندو آبادی بھی مسلمانوں کے روادارانہ اور عادلانہ برتاؤ

سے غلط فائدہ اٹھا کر در پردہ حصہ لے رہی ہے، مگر ان باتوں کی اصلاح اور تدارک میں بہرحال بڑے جانفشانی اور تندہی کی ضرورت ہے اور ایسے تمام امور کو نگاہ میں رکھنا لازمی ہے جو آگے چل کر دہاں کی دینی حمیت سے سرشار مسلمانوں کو کسی غلط راستہ پر ڈال سکتے ہوں۔

جمعیۃ العلماء اسلام کے رہنما مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی پر قاتلانہ حملے کو کافی دن ہو چکے ہیں مگر اس بزدلانہ حرکت کے خلاف ملک بھر میں احتجاجی بیانات جلسے جلوسوں کا سلسلہ زوروں پر ہے مگر ملزموں کے بارہ میں دو چار سرسری باتوں کے علاوہ اب تک جیسا کہ ہونا چاہئے تھا کوئی تفصیل منظر عام پر نہیں آسکی، یہ معاملہ ایک قومی وملی مسئلہ تھا۔ اور ارباب حکومت کو اس معاملہ کے نازک پس منظر شر پسندوں کے خطرناک عزائم اور مولانا کی بلند و بالا شخصیت کے پیش نظر تحقیقات اور ملزموں کے بیانات کے سلسلہ میں جس تندہی اور گرمجوشی سے کام لینا چاہئے تھا، اب تک ایسا نہیں کیا گیا۔ یہ سرد مہری یقیناً نہ صرف حکومت بلکہ مستقبل میں ملک وملت کی سلامتی اور امن وامان کے حق میں نہایت خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔ مولانا غلام غوث صاحب کے سیاسی نظریات اور طریق کار سے ہزار دفعہ اختلاف کیا جا سکتا ہے مگر مولانا کی بے لوث خدمات دین اور اعلاء دین کے لئے سرفروشانہ زندگی، باطل کی سرکوبی کے لئے انتھک محنت اور سب سے بڑھ کر ان کے اخلاص اور دیانتداری سے چشم پوشی اور انکار کرنا کسی حق پسند شخص کے لئے بے حد مشکل ہے۔ مولانا یورپ کے استعمار اور مغربی سامراج کو بجا طور پر اسلام اور مسلمانوں کا دشمن نمبر ایک سمجھتے ہیں۔ خیر القرون سے ہٹے ہوئے ہر باطل نظریہ اور تحریک کا استیصال کرنا ان کی زندگی کا خاص مشن ہے اور اس بارہ میں وہ ذرہ برابر نرمی رواداری یا تساہل بلکہ حکمت ومصلحت آمیز سلوک کے بھی روادار نہیں ہوتے اور شدت جذبات میں کبھی کبھی وہ ایسا رویہ بھی اختیار کر لیتے ہیں جو بعض سنجیدہ طبائع پر بھی شاق گذرنے لگتا ہے۔ مگر اسکی وجہ ان کی جلالی شان کا غلبہ ہوتا ہے۔ کسی سے ذاتی عناد یا نفسانی جذبات ہرگز نہیں۔

بیشک مولانا کے طریق کار اور موقف سے اختلاف کا حق بھی ہر کسی کو حاصل ہے۔ مگر یہ اختلاف دلائل اور جوابات کے دائرہ میں رہنا چاہیئے۔ قتل وقتال اور خون خرابے جیسے کمینہ اقدامات ملک کے ہر طبقہ کیطرف سے مذمت اور نفرین کے مستحق ہیں۔ مولانا نہ صرف سیاسی قائد ہیں بلکہ دین کے ایک ممتاز عالم اور مجاہد سپاہی بھی ہیں۔ اس لحاظ سے موجودہ قاتلانہ حملہ صرف مولانا پر نہیں

تمام علمار کرام اور وارثین علوم نبوت پر ہے حق کی آواز تلوار اور گولی سے خاموش نہیں کی جا سکتی۔ اس طرح فتنوں کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ جن علمار حق کو مولانا کے مسلک سے اختلاف ہے وہ بھی بڑھ چڑھ کر اس اقدام کی مذمت اور اس کی بے لاگ تحقیقات کا مطالبہ کریں گے۔

مولانا پچھلے کئی سال سے ایک ایسی طاقت سے برسر پیکار ہیں کہ اگر مولانا اور ان کے حمیت دین میں ڈوبے ہوئے اکابر علمار دیوبند کی مساعی نہ ہوتیں تو آج وہ طاقت ہمارے سارے نقوش اور روایات ایک ایک کر کے مٹا چکی ہوتی۔

اس وقت ملک کو جو نازک ترین مرحلہ درپیش ہے۔ ضرورت ہے کہ ان تمام حرکات اور مفسدانہ سرگرمیوں کا بروقت اور شدید ترین محاسبہ کیا جائے جو آگے چل کر اس ملک میں صحیح اسلامی نظام اور مستحکم حکومت کی راہ میں رکاوٹ بن سکتی ہیں۔

آج ۵ر جون ہے، سقوط بیت المقدس کا دن، آج یوم غربت اسلام ہے۔ قبۃ الصخرۃ کے رونے اور جامع عمرؓ کے ماتم کا دن، مسلمانوں کی آبرو لٹ جانے اور اپنی زبوں حالی پر آہ و بکا کا دن، — مگر ہم مسلمان ہیں، ماتم و شیون ہمارا شیوہ نہیں، یاس و قنوط ہمارے نزدیک کفر ہے۔ آیئے آج ہم عہد کریں کہ بیت المقدس پر فتح کا علم لہرا کے دم لیں گے، مایوسی کی فضا اور غفلت و جمود کے اس کہر کو ہم جہاد کی حرارت سے پگھلا کے چھوڑیں گے۔ کفر و استبداد کے قلعۂ اتحاد اور گٹھ جوڑ کو ہم اللہ اکبر کے نعروں سے پاش پاش کر دیں گے۔ یہی اس مسئلہ کا حل ہے۔ قرارداد ایجنڈے کانفرنس اور تقریریں کسی کی عظمت رفتہ کو کبھی بھی واپس نہیں کر سکیں۔ قبلۂ اول ہماری عصمت و آبرو ہے، اور عصمت و ناموس لٹانے والی قوم کبھی بھی شوکت و سطوت اور شادمانی کا دن نہیں مناتی۔ تمہاری یہ متاع گم گشتہ آج تمہیں آواز دے رہی ہے۔ مسجد اقصیٰ کے منبر و محراب تمہیں پکار رہے ہیں۔ جامع عمر کے دریچوں میں فاروق اعظم کی روح مضطرب ہے۔ وہ دیکھو صلاح الدین ایوبی ہماری حمیت اور غیرت کا ماتم کر رہے ہیں۔ وہ دیکھو صلیبی طاقتیں ایک بار پھر مغربی سامراج کے لباس میں متحد ہو کر ہماری ذلت اور پستی کا مذاق اڑا رہی ہیں۔ وہ دیکھو ذلیل و خوار رچی نالڈ کی روح ایک بار پھر ہماری غیرت کو للکار رہی ہے — آیئے ہم اپنے رب سے عہد کریں کہ ہم اگلے سال ۵ر جون کو شوکت اسلام کا دن منائیں گے اور یہ مسرت و شادمانی بیت المقدس کی بازیابی ہی سے ہمیں نصیب ہو سکے گی — لاتھنوا ولاتحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنین۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

سمیع الحق
۵ر جون سنہ ۱۹۷۰ء

ضبط و ترتیب : ادارۃ الحق

احساس ذمّہ داری

یہ خطاب حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ نے ۱۲ ربیع الاول ۹ مئی کو بعد از نماز عشاء انجمن تعلیم الاسلام کے زیر اہتمام سہ روزہ سیرت کانفرنس اسلام آباد کی افتتاحی نشست میں فرمایا۔ اس نشست کی صدارت مرکزی وزیر اطلاعات و قومی امور نوابزادہ جنرل شیر علی خان صاحب نے فرمائی۔ حاضرین کی اکثریت مرکزی حکومت کے ملازمین پر مشتمل تھی۔ اسی مناسبت سے تقریر کا زیادہ تعلق احساس امانت اور ذمہ داری کی ادائیگی سے رہا۔　　(ادارہ)

★

خطبہ مسنونہ کے بعد لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ وقال اللہ تعالیٰ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفر لکم ذنوبکم۔

صدر محترم علماء کرام و معزز حاضرین ! آپ حضرات کا زیادہ وقت نہیں لوں گا۔ رات زیادہ گذر چکی ہے۔ اور اس سے پہلے جنرل شیر علی خاں صاحب سیرت پر اپنے پاکیزہ خیالات کا اظہار فرما چکے ہیں۔ مزید کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں اور حضور اقدس کی شان اعلیٰ اور سیرت طیبہ کے لئے تو تمام عمر بھی ناکافی ہے۔ حضرت عائشہؓ سے کسی نے پوچھا کہ حضورؐ کے اخلاق بیان فرمائیں۔ تو آپ نے فرمایا: وکان خلقہ القرآن۔ حضورؐ کے اخلاق کا تو سارا قرآن کریم ہی بیان ہے۔ قرآن کے عجائبات تو قیامت تک ختم نہیں ہوتے، تو حضورؐ کی زندگی کا ایک ہی شعبہ جو اخلاق ہیں قیامت تک اسکی تشریح اور تفصیل ختم نہیں ہو سکتی۔ ادارہ تعلیم الاسلام کو اللہ تعالیٰ اجر دے کہ اس نے آپ کو یہاں جمع ہونے اور حضورؐ کی سیرت، سنت، اخلاق و عادات کا کچھ حصہ سننے کا موقع مہیا کیا۔ حضور اقدس کو اپنی امت کی بے حد فکر تھی امت کے لئے آپ نے بڑی مشقتیں اٹھائیں

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک رات حضور تشریف لائے ذرا سا بستر پہ لیٹے مگر پھر جلد اٹھے صبح تک نماز میں کھڑے رہے اور صرف ایک ہی آیت بار بار دہراتے رہے اور روتے رہے۔ ان تعذبھم فانھم عبادك وان تغفرلھم فانك غفور الرحیم۔ "اے اللہ اگر میری اس امت کو آپ سزا دیدیں تو تیرے ہی بندے ہیں۔ مجرم ہیں اس کے لائق ہیں مگر تیرے ہی در کے بغیر ان کا آسرا دوسرا نہیں۔ تو جیسے چاہے ان کے بارہ میں تجھے حق ہے۔ لیکن اگر تو انہیں بخشدے تو تو مہربان اور بخشنے والی ذات ہے۔"

حضورؐ کی اس فکر، مشقت اور دعاؤں کا نتیجہ امت کے حق میں ہر دور میں ظاہر ہوتا رہا۔ مسلمانوں کے اندر اللہ تعالیٰ ہر دور میں مجدد مبعوث فرماتا رہا اور پہلے مجدد جو گذرے ہیں سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ ان کی حالت خلافت سے قبل یہ تھی کہ بڑے بڑے روساء اور امراء دھوبی کی منت سماجت کرتے تھے کہ جس مٹکے میں عمر بن عبدالعزیز کے کپڑے دھوئے جائیں ان میں ہمارے کپڑے بھی شامل کر دئے جائیں تاکہ وہ نایاب اور بیش قیمت خوشبو جو ان کے کپڑوں میں ہوا کرتی ان کپڑوں میں بھی شامل ہو جائے۔ مختلف علاقوں کے حاکم رہے۔ عیش و آرام کی زندگی تھی خلیفہ بنے تو ان کی بیوی فاطمہ جو عبدالملک بن مروان کی بیٹی تھیں فرماتی ہیں کہ سارے دور خلافت میں انہیں غسل جنابت کی ضرورت نہ پڑی رات بھر نماز اور عبادت میں مشغول رہتے، روتے رہتے۔ بیوی نے شکایت کی کہ آپ کو سلطنت ملی تو رات بھر روتے ہیں۔ دن بھر فیصلوں میں گذار دیتے ہیں، تو فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے بغیر ترجمان کے پیش ہونا ہے۔ اور وہاں ہر شخص کو اپنے اعمال کا حساب دینا ہوگا۔ خداوند کریم قاضی ہوگا اور فیصلہ فرما دے گا۔ تو خداوند کریم مجھ سے پوچھیں گے کہ میں نے دنیا میں چند دن کے لئے تمہیں ایک امانت سپرد کی اپنے بندوں پر حکومت دی، پس کیا وجہ ہے کہ فلاں شخص کو علاج میسر نہ ہوا اس کو فلاں تکلیف کیوں پہنچی، جیل میں اسے بغیر جرم کے کیوں رکھا گیا۔ پس مجھے اس دن کے محاسبہ کے تصور نے بے چین کر دیا ہے اور دنیاوی لذائذ کی طرف توجہ ہی نہیں ہو سکتی۔ ان بزرگوں کو تو یہاں تک امانت اور ذمہ داری کی ادائیگی کا احساس ہوتا کہ فرماتے اگر دریائے فرات کے کنارے کسی بستی میں کسی خارش زدہ اونٹ کو دوائی نہ مل سکی تو عمر کو اس کے بارہ میں جوابدہ ہونا پڑے گا ——— کتنا اونچا مقام ہے۔

آج ہم کارل مارکس، لینن، اور ماؤزے تنگ کیطرف دیکھتے ہیں۔ یورپ کی شخصیتوں کو نمونہ بناتے ہیں۔ آئیے اور اپنے ان اکابر کی زندگی کو ذرا دیکھیں یہ لوگ کیسا سبق سکھا گئے ہیں۔

— تو حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے فرمایا کہ اللہ کے ہاں جب محاسبہ ہوگا تو کوئی چھڑانے والا نہ ہوگا۔ میرے اوپر جب اتنی نازک اور سخت ذمہ داری ہے تو اور باتوں کی فرصت کہاں۔
حضرت عمر رات کے وقت گھر سے نکل کر مدینہ کی گلیوں میں گھومتے پھرتے کہ رعایا کی کیا حالت ہے۔ ایک رات دیکھا کہ شہر سے باہر ایک بوڑھی عورت خیمہ سے باہر پریشان بیٹھی ہے اور کچھ پکار رہی ہے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا اس وقت کیا پکاتی ہے۔؟ کہا، کیوں۔؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا انسانی حقوق اور ہمدردی کے تقاضا سے آپ کا احوال پوچھتا ہوں تو اس نے بتلایا کہ میرے بچے بھوک سے بلک رہے ہیں۔ میں اس طرح خالی ہنڈیا کے نیچے آگ جلا کر انہیں بہلا رہی ہوں۔ کہ اسطرح انہیں کچھ تسلی ہو اور وہ سو جائیں اس بڑھیا نے کہا کہ مجھے حضرت عمرؓ سے ملنا ہے۔ اور قیامت کے دن اس سے بازپرس بھی کروں گی کہ میرے بچے بھوکے پھرتے رہے اور آپ نے ان کی فکر نہ کی۔
حضرت عمرؓ یہ سنکر کانپ گئے خوف خدا اور فکر محاسبہ سے لرز گئے اور فرمایا کہ اے بڑھیا تو نے عمر کو اپنی حالت سنائی ہے۔ کہا نہیں۔ تو فرمایا کہ عالم الغیب تو فقط اللہ کی ذات ہے۔ اس میں عمرؓ بیچارے کا کیا گناہ ہے۔ پھر قیامت کے دن اس کے گلے میں کیوں پڑو گی۔ تو اس نے جواب میں کہا کہ جب وہ حاکم بنا بیٹھی ہے تو اس کا فرض ہے کہ ہماری حالت معلوم کرتا پھرے اور رعایا کی حالت دریافت کرتا رہے۔ اور اگر ایسا نہ کر سکے تو اُسے استغفار دینا چاہیے
حضرت عمرؓ گھر واپس ہوئے گھر سے کھانے پینے کی چیزیں خود اٹھائیں اور بڑھیا کے پاس روانہ ہوئے۔ حضرت اسلم نامی غلام ساتھ تھے انہوں نے بوجھ اٹھانا چاہا تو فرمایا کہ نہیں قیامت کے دن تجھ سے نہیں بلکہ مجھ سے حساب لیا جائے گا۔ اور مجھے جواب دینا ہوگا۔ تو جب ایسا ہو تو میں خود اپنی یہ خدمت پیش کر سکوں۔ یہ عمرؓ ہیں! جن سے قیصر و کسریٰ کانپتے تھے جن کے بارہ میں حضورؐ نے فرمایا کہ میرے بعد اگر نبی آسکتا تو عمرؓ نبی ہوتے۔ لیکن نبوت مجھ پر ختم ہے اور فرمایا کہ جس راستہ سے عمرؓ گذرتے ہیں شیطان وہاں سے بھاگ جاتا ہے۔ ایسی اونچی شخصیت تھے۔ بڑھیا کے پاس سامان لادے ہوئے پہنچے۔ سب کچھ پیش کر دیا۔ خود ہانڈی میں چڑھایا آگ جلاتے رہے۔ تو حضرت اسلم فرماتے ہیں کہ میں دیکھ رہا تھا کہ آگ کا دھواں حضرت عمر کی ڈاڑھی مبارک پر چھا رہا تھا مگر اس سے بے نیاز کھانا پکوایا، بچوں کو کھلایا اور نہایت خوش ہو کر دیکھتے رہے۔ اور فرمایا کہ میں نے ان یتیم بچوں کو روتے دیکھا ہے، لہذا اپنی آنکھوں سے ان کی ہنسی

خوشی اور کھیل کود بھی دیکھ لوں۔ اور خدا کی شان دیکھئے کہ اس بڑھی سے بھی اللہ نے حضرت عمر کی اہلیت کی شہادت کہلوائی جس نے آخرت کے حساب کی دھمکی دی تھی۔ اُس نے کہا کہ تو اس لائق ہے کہ تجھے خلیفہ بنایا جائے جو راتوں کو پھر پھر کر مصیبت زدہ رعایا پر شفقت کا ہاتھ رکھ سکے، تم ہی خلافت کے صحیح اہل ہو۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ فکر مت کرنا، کل تم جب حضرت عمرؓ سے ملنے آؤ تو مجھے بھی وہاں پالو گی۔

الغرض ہر وقت یہ فکر دامنگیر تھا کہ خلافت اور حکومت کی ذمہ داری پر اللہ کے سامنے جواب دہ ہونا پڑے گا۔ بیت المال کا ایک اونٹ گم ہو گیا۔ سخت گرمی اور دوپہر کا وقت تھا۔ خود تلاش میں نکلے۔ لوگوں نے چاہا کہ ہم تلاش کر لیں۔ فرمایا یہ بیت المال کی امانت ہے اور مجھے خود اس کو تلاش کرنا ہے۔

دفتر کے کام میں رات کو چراغ کی روشنی میں مشغول ہیں ایک مہمان آیا تو چراغ بجھا دیا جانے لگا تو جلا دیا۔ اس نے شکوہ کیا کہ مجھے اندھیرے میں کیوں بٹھایا فرمایا کہ میں سرکاری کام کر رہا ہوں اور یہ تیل بھی بیت المال کا ہے۔ اور آپ کے ساتھ جو کام تھا وہ ذاتی نوعیت کا تھا۔ اس دوران جو تیل جلتا اس کا حساب اللہ کے سامنے دینا پڑتا۔ اس لئے آپ کے آتے ہی بجھا دیا اور اب سرکاری کام کے لئے دوبارہ جلا دیا۔

خود حضورؐ کی حالت کتنی عجیب تھی۔ ضعفاء اور غرباء کا بوجھ حکومت اور خلافت کی ذمہ داری سے پہلے بھی بڑھ چڑھ کر اٹھاتے رہے۔ ایک دفعہ مکہ معظمہ سے باہر نکلے ایک بڑھیا کو دیکھا جو لکڑیوں کا ایک بھاری گٹھڑ اٹھائے ہوئے ہے مگر اٹھا نہیں سکتی۔ حضورؐ نے یہ بوجھ اٹھایا اور اس کے مکان تک لے گئے۔ بڑھیا بڑی خوش تھی اور جاتے وقت کہا کہ ایک نصیحت کرتی ہوں کہ تم بے حد شریف اور رحمدل جوان ہو اس لئے یاد رکھنا کہ کہیں یہاں شہر کے ایک نوجوان کی باتوں میں نہ آجاؤ۔ جس نے نئے دین کی بنیاد رکھی ہے اس کے پاس بھی نہ جانا۔ آپ نے فرمایا وہ تو میں ہی ہوں۔ اس نے سنکر کہا اچھا وہ اتنا بلند اخلاق والا انسان ہے، فوراً ایمان لے آئی۔ یہ تھے سرورِ کائنات اور ان کے اخلاقِ عظیم۔ تو یہی حالت اس امت کے مجدّدِ اوّل حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی بھی تھی اور ہر کام میں یہی احساس غالب تھا کہ حضورؐ جب مدعی ہوں، اللہ تعالیٰ مطالب ہوں بندوں کے حقوق کا۔ تو مجھے کون بچا سکے گا خلافت کے بعد سب سے پہلے امراء و حکام کے نام جو حکم جاری کیا وہ یہی تھا کہ اگر میرے اقتدار کے زمانے میں حضورؐ کی

ایک سنت بھی زندہ ہو جائے اور اس کے بدلے امیر المومنین کا جسم ریزہ ریزہ ہو جائے تو عمر کامیاب ہے کہ اس کے زمانہ میں ایک سنت زندہ ہو گئی۔

آج بھی ہر طرف سے اسلام کے نعرے لگتے ہیں کہ اسے جاری کر دیں گے۔ جاری تو کرتے نہیں البتہ بھاڑو کر دینا چاہتے ہیں۔ تو حضرت عمرؓ نے یہ نہیں فرمایا کہ میری سلطنت اور خلافت کی حفاظت کی جائے بلکہ اعلان کیا کہ ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین۔ میری جان ومال اور عبادت، زندگانی اور موت سب اللہ رب العالمین کے لئے ہے۔ حضور خاتم النبیین بھتے فکر لگی تھی کہ میری امت پہ دولت عیاشی فحاشی، حکومتوں اور ازموں کے فتنے آئیں گے، حفاظت کی کیا صورت ہو گی تو اللہ نے انتظام فرمایا کہ اس دین کی حفاظت کے لئے ہر صدی میں مجدد آتے رہیں گے۔ تو پہلے مجدد عمر بن عبدالعزیز اور آخری حضرت امام مہدی ہوں گے۔ اور درمیان میں بھی مسلسل دین کی خدمت کرنے والے پیدا ہوں گے جو دین کی خدمت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول اور فعل اور ان کے تمام اطوار اور طریقوں کو لوگوں کے سامنے پیش کرتے رہیں گے۔ اگر ایک سنت بھی کسی کی جدوجہد سے زندہ اور نافذ ہو جائے تو خدا کی قسم ہمارے لئے دنیا اور آخرت میں اس سے بڑھ کر کوئی کامیابی نہ ہو گی۔ ہر نبی کی سنت میں دنیا اور آخرت کی برکات ہوتی ہیں۔ قرآن کریم میں حضرت موسیٰ، فرعون اور جادوگروں سے مناظرہ کا واقعہ مذکور ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ جادوگروں نے مناظرہ کیلئے فرعون سے حضرت موسیٰ اور ہارون جیسا لباس فراہم کرنے کی خواہش ظاہر کی فرعون نے فوراً انتظام کر دیا اب ایک تو ان ساحروں نے حضرت موسیٰ کو ادب واحترام کی بناء پر اپنا معجزہ پہلے دکھانے کی دعوت دی اور دوسرے انبیاء کے لباس کو پہنا۔ حضرت موسیٰ کے معجزہ کے سامنے سب بے بس ہو گئے۔ وہ صاحب فن بھتے سمجھ گئے کہ یہ سحر اور جادو نہیں، بلکہ یہ لاٹھی تو خدا اور قدرت کی نشانی ہے۔ اور سب حضرت موسیٰ پہ ایمان لے آئے۔ فرعون نے بڑا دھمکایا کہ میری اجازت کے بغیر ایسا کیوں کیا۔ میں تو تمہیں مقرب بنانا چاہتا تھا، اب سولی پر چڑھاؤں گا مگر وہ نہ مانے اور ایسا پختہ ایمان تھا کہ سولی پہ چڑھے مگر ایمان نہ چھوڑا۔ تو یہ تاثیر تھی اس ظاہری ہئیت اور صورت کی جو انہوں نے اللہ کے برگزیدہ نبیوں کے لباس کی شکل میں اپنائی۔ حضرت موسیٰ نے چاہا تھا کہ فرعون ایمان لائے تو ساری رعایا اسلام لے آئے گی۔ الناس علی دین ملوکھم۔ رعایا کی خرابی اور بھلائی کی ذمہ داری حکومت پہ پڑتی ہے۔ وہ تو ایمان نہ لایا اور ساحر ایمان لے آئے۔

— تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ فرعون نے غرور اور تکبّر کا رویہ اختیار کیا اور ساحروں نے آپ کے لباس میں مشابہت اختیار کی اور ادب کا معاملہ کیا کہ آپ کو پہلے دعوت دی اللہ کی عزت نے گوارا نہ کیا کہ میرے نبی کے لباس کی مشابہت کرنے والوں کو دولتِ ایمان سے محروم رکھوں۔ تو حضورؐ کی ذرا سی مشابہت اور اتباع کا بھی یہ نتیجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو محبوب بنا لیتا ہے۔ اللہ نے حضورؐ کے ذریعہ اعلان کروایا: قل ان کنتم تحبّون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔ اگر تم اللہ سے محبت کرنا چاہو تو حضورؐ کی اتباع کرو۔ اسطرح اللہ خود تم سے محبت کرنے لگے گا۔ محبّ کے محبوب بن جاؤ گے۔ اگر تمہیں کسی بچے سے محبت ہو اور وہ گم ہو جائے یا فوت ہو جائے تو جو بچہ عادات اور اطوار اور رنگ ڈھنگ میں اس سے مشابہ ہو اس سے بھی والدین محبت کرنے لگتے ہیں۔ اور دل میں محبت کے جذبات موجزن ہو جاتے ہیں اور سمجھ لیتے ہیں کہ یہ میرے بچے جیسا بچہ ہے۔ تو انبیاء جو اللہ کے محبوب ہیں اگر ان جیسی زندگی اختیار کر لو گے تو اللہ کے محبوب بن جاؤ گے اور تمہاری ایسی حرکات اور گناہوں کو بھی معاف کر دے گا جو محبت نہ ہونے کی صورت میں قابلِ معافی نہ تھے۔ اور دیکھو بچے سے والدین کو محبت ہوتی ہے تو کبھی وہ داڑھی میں ہاتھ ڈالتا ہے اور کبھی کیا کرتا ہے مگر والد کو غصّہ کی بجائے پیار آتا ہے ورنہ کوئی اور ایسی حرکت کرتا تو اُسے سخت سزا ملتی۔ اس طرح جب اللہ کی محبت حضورؐ کے اتباع کی برکت سے حاصل ہو جائے گی تو وہ ہمارے سارے گناہ اور زیادتیوں کو بھی بخش دے گا۔ ویغفر لکم ذنوبکم۔ پھر اللہ کی رضامندی کے لئے نبی کی سیرت اور سنت کو اسوہ بنانا کیوں ضروری ہے۔ اس لئے کہ جسطرح انسانی جسم کی بصارت کیلئے آنکھ کی ضرورت ہے مگر آنکھوں سے فائدہ تب ہوگا۔ کہ چاند سورج چراغ بجلی کی بیرونی روشنی بھی ہو اگر اس وقت یہ بجلی فیل ہو جائے تو آنکھیں بے کار ہوں گی، اور ہم ٹکریں مارتے پھریں گے۔ یا کسی تباہی کے گڑھے میں گر جائیں گے۔

اسی طرح اللہ نے انسان کو عقل دی، روح دی، فکر اور غور کا مادہ دیا۔ فراست دی مگر یہ ساری قوتیں تب کارآمد ہوتی ہیں کہ ان کے ساتھ خارجی روشنی شامل ہو جائے اور اس روشنی کا نام ہے نورِ نبوت، نورِ وحی، نورِ رسالت۔ اگر وہ روشنی سامنے نہ ہو اور انسانی عقل چاہے افلاطون فیثاغورث اور ارسطو کی کیوں نہ ہو، ساری عقل اور فلسفہ اور سائنس بے کار ہوگی۔ اور نتیجہ ہلاکت اور بربادی کے گڑھوں میں گر کر ابدی تباہی ہوگا۔ صحیح راستہ

تب دکھائی دے گا، جب ہمارے قلوب اُن انوار سے منوّر ہوں۔ جو مشکوٰۃ نبوت سے نکل رہی ہیں۔ اور یہ روشنی تب نصیب ہوگی جب ہم اپنا رابطہ اور تعلق حضورؐ کی ذات سے قائم کرلیں اور جسطرح بلب کی روشنی کے لئے دو تاروں کی ضرورت ہے اگر وہ پاور ہاؤس سے منسلک ہیں تو یہ بجلی روشن ہے صرف ایک تار سے کام نہیں چلتا۔

—— تو ہمارے دلوں کا پاور ہاؤس مدینہ منورّہ کے گنبد خضرا میں رحمۃ للعلمین سرور کائنات کی ذات ہے اُس سے رابطہ قائم کریں تب دل روشن ہوں گے۔ اور اس کے لئے بھی دو تاروں کی ضرورت ہے، ایک تار محبت کا ہے اور دوسرا طاعت کا ہے۔ نری محبت سے بھی کام نہیں چلتا اور محض قانونی طاعت سے بھی طاعت اور محبت دونوں لازم ہیں۔ محبت ایسی جو ماں باپ اور اولاد اپنی جان و مال اور ساری مخلوق سے بڑھ کر ہو۔ ایسی محبت جس میں ہم اپنی مال و جان، عزّت و آبرو سب کچھ قربان کرسکیں اور طاعت بھی ایسی جو محبت پر کنٹرول رکھ سکے۔ اور اگر محبوب کا حکم ہو تو ہم سب کچھ اُس کے حکم کی تعمیل میں قربان کرسکیں۔ جو لوگ صرف محبت کے دعویدار ہیں اور طاعت سے آزاد، ان کے دلوں کا ایک تار بھی فیوز ہوچکا ہے اور محبت سے کوری تابعداری کا بھی۔ اس لئے اعتدال قائم نہیں رہتا اور منصب نبوت و رسالت کا لحاظ بھی نہیں رکھا جاسکتا۔

صحابہؓ سے حضورؐ کو محبت ایسی تھی جس کی نظیر تاریخ پیش نہیں کرسکتی ابوبکرؓ نے محبت میں کیا کچھ نہیں دکھایا۔ غارِ حراء کی ایک رات کی قربانی ساری امت پر بھاری ہے اور طاعت ایسی کہ حضرت　　　نے بدر کے موقع پر حضورؐ سے کہا کہ ہم بنی اسرائیل کی طرح آپ سے یہ نہیں کہیں گے کہ آپ اور آپ کا رب جاکر لڑیں بلکہ اگر آپ ہمیں آگ اور سمندروں میں کودنے کا حکم دیں گے تو ہم بے دریغ کود پڑیں گے۔

اس وقت ہماری قوم ایک اہم اور نازک موڑ پر ہے۔ اگر ہم نے اس مرحلہ پر بھی حضورؐ کی سیرت مطہرہ کو اپنا اسوہ بنایا اور ہر شخص نے خواہ رعایا میں سے ہو یا حکام میں سے، اپنی ذمہ داریوں کا احساس اور اللہ کے ہاں محاسبہ کا شعور پیدا کیا۔ تو انشاء اللہ ہم سب اس امتحان سے سرخرو ہوکر نکل سکیں گے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

★

حضرت مولانا محمد انوری مرحوم۔ لائل پور

نبوّت و نظامِ تشریعی اور مسئلہ ختمِ نبوت

والد صاحب مرحوم نے یہ مضمون وفات سے چند روز قبل الحق کیلئے لکھوایا تھا مگر ادھورا رہ گیا۔ جتنا کچھ ہے ارسالِ خدمت ہے۔

سعید الرحمان، لائل پوری

خدائے کریم نے نظامِ کائنات اور نظامِ ملّت و قوم سے بالاتر ایک اور نظام بھی مقرر فرمایا ہے اور وہ بھی نظامِ الٰہی وسماوی کی ایک زبردست کڑی ہے جسکو نبوّت اور نظامِ تشریعی کہا جاتا ہے۔ یہ نظام حق تعالیٰ نے انبیاء اور رسولوں کے ذریعہ ہم تک پہنچایا ہے تاکہ اسکی روشنی اور ہدایت کے تحت مخلوقات اپنے رب کی رضا و نارضامندی سے واقف ہو سکے اور مطلق العنان اور بیکار نہ رہ جائے۔

آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ حق تعالیٰ کی قدرت اور اس کا ارادہ اور صفتِ خلق جملہ کائناتِ عالم کے حرکت و سکون اور خیر و شر پر حاوی ہے۔ اور دنیا کا ایک ذرہ بھی اس کی صفاتِ جلیلہ کے تعلق سے باہر نہیں۔ تمام خیر و شر اسکی صفتِ خالقیت کے ماتحت ہیں۔ اسکی اس صفت کا تعلق صرف خیر ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق تمام کائنات کیساتھ علی السّویۃ ہے۔ پس جبکہ بندہ اپنے لئے راہِ ہدایت سوچتا اور اس کے حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے تو حق تعالیٰ کی صفتِ ارادہ کو اپنا اسوہ اور ہدایت کے لئے رہبر نہیں بنا سکتا۔ اور نہ یہ استدلال کر سکتا ہے کہ چونکہ فلاں طریقہ ارادہ خداوندی کے ماتحت داخل ہے اس لئے وہ خیر ہی ہوگا، کیونکہ ارادہ کا تعلق خیر و شر دونوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس لئے اسکو ضرورت پڑتی ہے کہ خدائے قدوس کی دوسری صفات سے مدد لے اور ان کے ذریعہ سے اپنے مقصدِ نیک میں کامیاب ہو۔ اس وقت جو صفاتِ ربانیہ اسکی اس منزل میں معین و مددگار ہوتی ہیں، ان میں سب سے عظیم الشان صفتِ کلامِ حق ہے۔ ذات

مقدسۂ احدیت کی یہ صفت فقط رشد و ہدایت اور صواب ہی میں منحصر ہے۔ اور شر کا کوئی شائبہ بھی اس کے ساتھ متعلق نہیں ہو سکتا۔ ممکن نہیں کہ فلاح و نجاح کے سوائے کوئی دوسرا احتمال بھی اس میں راہ پا سکے۔ لہٰذا یہی کلامِ ربانی تمام دنیاء انسانی کیلئے موجب ارشاد و ہدایت ہے اور یہی صفت عالم انسانی کو ورطۂ ہلاکت سے نکال کر نجات ابدی تک پہنچانے کی کفیل ہے۔

لیکن آپ جانتے ہیں کہ جب ہر کس و ناکس دنیاوی امراء و سلاطین کیساتھ ہمکلامی کی لیاقت نہیں رکھتا تو خدائے قدوس احکم الحاکمین اور سلطان السلاطین کے ساتھ مناجات و ہمکلامی کا ہر شخص اہل نہیں تھا اس لئے مالک الملک نے بھی اپنی ہمکلامی کے لئے خاص خاص نفوسِ قدسیہ کو منتخب فرمایا اور ان کو اپنی بارگاہ میں مقرب بنا کر عالم کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا۔

یہی وہ جماعت ہے جس کو ہم انبیاء و رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مبارک خطاب سے یاد کرتے ہیں اور یہی وہ مبارک جماعت ہے کہ جو بھٹکے ہوئے انسانوں کو صفات ربانیہ اور افعال الٰہیہ اور عقائد حقہ اور حقائق غائبہ اور اخلاق عالیہ اور شرائع عادلہ اور سیاست فاضلہ سے روشناس اور ان کو ذلت و نکبت کی تاریکی سے نکال کر رفعت و شوکت کی روشنی میں لاتے ہیں۔

عن ابی ھریرۃؓ عن النبیؐ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال کانت بنو اسرائیل تسوسھم الانبیاء کلما ھلک نبی خلفہ وانہ لانبی بعدی وسیکون خلفاء۔ (الحدیث)

یعنی حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ بنو اسرائیل کا نظمِ سیاست اور ان کی اجتماعی تربیت ان انبیاء کے سپرد تھی جب ایک نبی دنیا سے گزر جاتے تو دوسرے نبی ان کی جگہ لے لیتے اور یاد رکھو کہ میرے بعد اب کوئی نبی نہیں ہوگا۔ اور قریب ہے کہ امت کا یہ نظام خلفاء کے سپرد ہو جائے گا۔

محترم بزرگو! یہ نظامِ تشریعی جس کا میں نے ابھی ابھی اجمالی طور پر ذکر کیا ہے عالم کے نظامِ تکوینی سے بہت بلند اور عالی ہے اس لئے کہ یہ نظام اپنے ماننے والوں کو سلکِ تہذیب میں منسلک کرتا اور جہل و تاریکی سے نکال کر علم و نور تک پہنچاتا ہے۔ ؎

عالم چو کتابیست پر از دانش و داد　　صحاف قضاؔ جلد او و معاد
شیرازہ او شرع و مذاہب اوراق　　امت ہمہ شاگرد و پیمبر استاد

یعنی تمام عالم مثل ایک کتاب کے ہے جو فہم و انصاف سے پُر ہے۔ قضا و قدر اسکی کاتب اور ابتداء و انجام یا دنیا و آخرت اسکی جلد اور اسکا شیرازہ شریعت بیضاء اور اس کے اوراق شریعت

کے ماتحت مذاہب ہیں اور تمام امت اس صحیفۂ عالم کی تعلیم کیلئے شاگرد اور انبیاء علیہم السلام بمنزلہ استاد کے ہیں۔

حق تعالیٰ نے نظام تشریعی کے اس سلسلہ مبارک کو حضرت آدم علیہ السلام سے شروع فرماکر خاتم الانبیاء سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم فرما دیا اور قصر نبوت کی تکمیل کے لئے ایک اینٹ کی جگہ باقی رہی تھی، آپ کی ذات اقدس نے اس کو پورا کر دیا۔ البتہ خصائل نبوت میں سے اب بھی بعض چیزیں باقی ہیں جنکو بعض ملاحدہ نبوت سمجھ کر دھوکا کھا گئے اور بعض دجال براہ تلبیس خود مدعی نبوت و رسالت بن بیٹھے اور چونکہ علامات قیامت میں سے نصاریٰ اور مسلمانوں کے باہم قتل و قتال اور عظیم الشان ہولناک جنگیں اور ابتلاء عظیم حق تعالیٰ نے مقدر کر دیا تھا جیساکہ وقوع میں آچکا اور آرہا ہے۔ تو ساتھ ہی مشیت حق نے یہ بھی مقدر کر دیا ہے کہ ایسے آڑے وقت میں مسلمانوں کی ہدایت و رشد کے لئے تو امام مہدی علیہ السلام ظاہر ہوں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتریں تاکہ ان کے ذریعے سے نصاریٰ کی اصلاح انجام پائے اور چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نبی الانبیاء ہیں جیساکہ آیت کریمہ "واذ اخذ اللہ میثاق النبیین لما اتیتکم من کتاب وحکمۃ ثم جاءکم رسول مصدق لما معکم لتومنن بہ ولتنصرنہ" میں تمام انبیاء علیہ السلام کو باوجود اس امر کے کہ بعض ان میں سے رسول بھی ہیں جیساکہ خود اسی آیت کے جملہ من کتاب سے ظاہر ہوتا ہے ہمارے نبی کے مقابلہ میں ان سب کو انبیاء کا لقب دیا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول کے لقب سے ملقب فرمایا۔ نیز آیت ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین بھی اسی کو ظاہر کرتی ہے۔ اور حضرت عرباض بن ساریہ رض کی حدیث میں ہے (جسکی تصحیح ابن حبان نے کی ہے)

قلت متی کنت نبیاً قال وآدم بین الروح والجسد۔ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ کس وقت نبی بنائے گئے، ارشاد فرمایا کہ اس وقت جبکہ آدم علیہ السلام ابھی خمیر ہی میں تھے۔

پس جبکہ آیات قرآنی اور احادیث اس امر کو واضح اور ظاہر کر رہی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف نبی الامۃ بلکہ نبی الانبیاء بھی ہیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول جس حکمت پر مبنی ہے اس کے لحاظ سے دنیا میں تشریف لاکر آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت کے منصب جلیل پر فائز ہوں گے اس لئے یہ خدشہ قطعاً ساقط ہو جاتا ہے کہ خاتم النبیین کی آمد کے بعد نزول عیسیٰ علیہ السلام بحیثیت نبوت کس طرح ممکن ہے۔ الحاصل نبی الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی نبوت اور ختم نبوت کے متعلق تمام انبیا علیہم السلام وصیت کرتے اور بشارت دیتے چلے آئے ہیں ـــــ

عن قتادۃ انہ اخذ اللّٰہ میثاقھم بتصدیق بعضھم بعضاً والاعلان بان محمد الرسول اللّٰہ واعلان رسول اللّٰہ بان لانبی بعدہٗ ۔ کذا فی الدر المنثور وغیرہ ــــ

حضرت قتادہ سے روایت ہے کہ حق تعالیٰ نے انبیا علیہم السلام سے اس بارہ میں میثاق اور عہد لیا ہے کہ ایک دوسرے کی تصدیق کریں اور اپنے اپنے زمانہ میں اس بات کا بھی اعلان کریں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔ اور آپ اعلان کریں کہ ان کے بعد کوئی نبی نہیں ـــ بلکہ مہر نبوت حسی طور پر خود ختم نبوت کی علامت ہے۔ جیسا کہ مسند طیالسی کی روایت سے ثابت ہے اور صرف حدیث ہی میں نہیں بلکہ تورات میں بزبان عبری حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وصیتوں میں بھی اسکی تصریح موجود ہے۔
نَابِی مِقِرّبِخَ مِاحِیخَ کَامُوخ یَاقِیمْ لِخَ اِلُوھِیخَ اِلَاوتِشمَاعُوتَ ۔ اور چونکہ لغت عبرانی عربی سے قریب تر ہے۔ لہٰذا عربی میں اسے یوں پڑھنا چاہیئے۔ بنی من قربلک من اخیلک کمثلک یقیم لک العدک الیہ تسمعون ایک نبی تیرے قریب سے تیرے بھائیوں میں سے تجھ جیسا تیرا خدا تیرے لئے مبعوث کرے گا اس کی سنیو۔

اور چونکہ مترجمین نے لفظ (مِقِرّبِخَ) کا ترجمہ (تیرے درمیان سے) کر دیا ہے۔ اس لئے مناظرین اسلام کو یہ بشارت آپ کی ذات اقدس پر منطبق کرنے میں مشکل پیش آتی ہے، لیکن جو اسکی اصل حقیقت ہے اس خاکسار نے اس کو صاف کر دیا ہے۔ بہرحال یہ تورات کی آیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں صریح اور واضح دلیل ہے ــ

رُتبٌ تَقْصُرُ الْاَمَانِیْ حَسْرٰی　　دونہا ما وراءھن وراء

ـــــــ مرزا غلام احمد کی تکفیر کے وجوہ ـــــــ

پہلی وجہ دعویٰ نبوت | اس ملحد نے اپنی تحریروں اور کتابوں میں جگہ جگہ نہ صرف نبوت بلکہ رسول اور صاحب شریعت رسول ہونے کے ایسے بلند بانگ دعوے کئے ہیں کہ آج تک ان سے فضا گونج رہی ہے۔ اس لئے دعویٰ نبوت کا انکار صرف زبردستی اور رسواکن سینہ زوری ہے، جس کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ اور جو بھی اس کو کافر نہ کہے وہ خود کافر ہے۔ اچھا اب میں آپ سے ہی پوچھتا ہوں کہ جو شخص مسیلمہ کذاب کو کافر نہ کہے اور اس کے صاف وصریح دعویٰ نبوت اور قرآن کے مقابلہ میں کہی ہوئی "تک بندیوں" میں تاویلیں کرے اس کو آپ کیا کہیں گے۔؟

اسی طرح ایک کھلے ہوئے بت پرست کو آپ کہیں کہ وہ بت کو سجدہ نہیں کرتا بلکہ اس کو دیکھتے ہی منہ کے بل گر پڑتا ہے اس لئے وہ کافر نہیں ہے۔ کیا یہ کھلی ہوئی زبردستی سینہ زوری نہیں ہے۔ جب ہم اپنی آنکھوں سے اسے بارہا بت کے سامنے سربسجود دیکھتے ہیں تو اس کو کافر کیسے نہ کہیں اور اسکی "صنم پرستی" کی تاویلیں اور توجیہیں کیسے سنیں۔؟

یہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔ اس قسم کی مہمل تاویلیں قطعاً ناقابل التفات ہیں۔

ملحدوں کے قول وفعل میں تاویلیں کرنیوالے ان کی حمایت میں جھوٹ بولتے ہیں۔ | چنانچہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ شرح مسلم جلد ۱ صفحہ ۳۹ پر اس قسم کے زندیقوں کے اقوال و افعال میں تاویل کرنے والوں کو ان کی خاطر جھوٹ بولنے والا قرار دیتے ہیں۔ نیز یہ کہ ان مہمل تاویلوں اور حرکات مذبوحی سے تکفیر کا حکم نہیں بدلتا۔ چنانچہ فرماتے ہیں :

"تیسری بات یہ ہے کہ زندیق اگر پہلی مرتبہ (اپنی بے دینی سے) توبہ کرتا ہے تو اسکی توبہ قبول کی جائے گی اور اگر بار بار توبہ کرتا اور توڑتا ہے تو اسکی توبہ قبول نہ ہوگی۔"

حاصل یہ کہ ایسے بے دین کے قول وفعل میں تاویل کرنا تاویل نہیں اسکی حمایت میں جھوٹ بولنا ہے جس سے حکم تکفیر میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

دوسری وجہ۔ انکار نزول عیسیٰ علیہ السلام | عیسیٰ علیہ السلام کا نزول تواتر کی حد کو پہنچ چکا ہے۔ نیز اس پر امت کا اجماع بھی ہوچکا ہے۔ لہٰذا اس میں کوئی تاویل و تصرف یا تحریف کرنا کھلا ہوا کفر ہے۔ علامہ آلوسی جو محققین علماء متاخرین میں سے ہیں، روح المعانی میں تصریح فرماتے ہیں۔

نزول عیسیٰ علیہ السلام کا انکار ایک متواتر کا انکار ہے اور منکر کی تکفیر پر تمام علماء متفق ہیں۔

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ میں نے آیت کریمہ ان من اھل الکتاب الا لیومنن بہ الآیہ کے ذیل میں اس بے دین جھوٹے مدعی نبوت اور اس کے پیروؤں کا بیان تفصیل سے دیکھا اور پڑھا ہے، خدا اسے جہنم رسید کرے کیسا کٹر کافر ہے۔ اس آیت کریمہ کی تاویل نہیں تحریف میں کیسا کیسا ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے۔ لیکن بات پھر بھی نہ بنی۔ بہرحال ان لوگوں کی تکفیر فرض عین ہے۔

تیسری وجہ۔ توہین عیسیٰ علیہ السلام | ان مرزائیوں خصوصاً لاہوریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسے اولوالعزم نبی کا رتبہ مرزا جیسے فاسق و فاجر اور بدکار و بدنسب شخص کو بخشا ہے۔ یہ عیسیٰ علیہ السلام کی شدید بدترین توہین ہے۔

اس سلسلہ میں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ کا بیان باب مایستحب للعالم اذا سئل ای الناس

اعلم کے ذیل میں فتح الباری جلد ۱ صفحہ ۱۹۶ پر ضرور دیکھنا چاہئے وہ فرماتے ہیں:

"اگر ہم یہ کہیں کہ خضر نبی نہیں بلکہ ولی ہیں اور یہ از روئے عقل و نقل قطعی طور پر مسلّم ہے کہ نبی ولی سے بہر حال افضل ہے اور جو اس کے خلاف کہے (اور کسی ولی کو نبی سے افضل مانے) وہ قطعاً کافر ہے، اس لئے کہ امر شرعی کا انکار ہے۔ (لہٰذا مرزا غلام احمد جیسے شخص کو عیسیٰ کہنے والے تو یقیناً کافر ہوں گے۔)"

مرزائیوں کا حکم | جو لوگ ان مرزائیوں کے بارے میں زیادہ سے زیادہ احتیاط کرنا چاہتے ہیں۔ وہ صرف اتنا کر سکتے ہیں کہ ان سے توبہ کرالیں۔ اگر یہ مرزائیت سے توبہ کریں تو فبہا ورنہ قطعاً کافر ہیں ——— شریعت اسلامیہ میں ان کے لئے اس سے زیادہ مراعات کی قطعاً گنجائش نہیں۔ اور یہ توبہ کرانا بھی ہر کس و ناکس کا کام نہیں بلکہ صرف اسلامی حکومت کا حاکم ان کے "کفر و اسلام" کا قطعی فیصلہ کرنے کے وقت ان سے توبہ کرا سکتا ہے تاکہ وہ ان کے کفر یا اسلام کا دو ٹوک فیصلہ کر سکے، لیکن اسلامی حکومت اور مسلمان حاکم موجود نہ ہونے کی صورت میں تو ان کے جہنم رسید ہونے تک کفر کے سوا کچھ نہیں، چاہے اسے اوڑھ لیں چاہے بچھالیں۔

بقیہ: معاشی بحران ——— کوئی حقیقت نہیں ہے تو گویا یہ کہ محاصل میں قلیل مقدار دولت کی قربانی کی جائے۔ اگر اس قلیل مقدار دولت کے نقصان اس عظیم نقصان سے مقابلہ کیا جائے جو دولتمندوں کی خساست اور بخیلی سے تمام ملک اور قوم کو نقصان پہنچتا ہے تو کوئی دانا انسان اس خساست کی رواداری میں اس عظیم مصیبت کو برداشت نہیں کرے گا۔

ٹھیک اسی طرح اگر سرمایہ دار کو اس خساست اور بخل پر ضد ہے اور مزدوری کی اجرت اور سرمایہ کے منافع میں توازن رکھنے پر آمادہ نہیں ہے تو ملک کے امن اور سکون کیلئے بڑا خطرہ ہے۔ اور سرمایہ دار کے اس تغافل کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے نوازل ناقابل برداشت ہیں۔ پھر اسکی تلافی تمام کارخانہ داروں سے ناممکن ہوگی۔ (باقی آئندہ)

محمد محترم فہیم عثمانی ایم۔ اے عربی و علوم اسلامیہ

انفرادی ملکیت پر

اسلام کی عائد کردہ حدود و قیود

فساد سرمایہ داری کا بہترین علاج

نظام سرمایہ داری کے نتیجے میں انسانی معیشت جس فساد کا شکار ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ جاگیردارانہ نظام کی اصلاح کی خاطر جس نظام معاش کو انسان کی محدود عقل نے اپنی نجات کا راستہ جانا تھا وہ مکمل طور پر ناکام ہو چکا ہے اب اسکی ایک ایک خامی پوری طرح کھل کر دنیا کی نگاہوں کے سامنے آچکی ہے۔ بے لگام انفرادی ملکیت کی کھلی آزادی اور ارتقائے معیشت کے فطری اسباب پر بے جا اعتماد نے معیشت انسانی کی جڑیں کھوکھلی کر کے رکھ دی ہیں۔
حقیقت یہ ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام کی بے قید معیشت کے مبالغہ آمیز اصولوں نے انسان کو تباہی کے غار پر لا کھڑا کیا ہے۔ اور انسان اک بار پھر نجات کی کسی نئی راہ کی تلاش میں ہے۔ مگر ستم یہ ہے کہ اس بار پھر اسی غلطی کا اعادہ کرنے لگا ہے جو نظام جاگیرداری سے پیچھا چھڑانے کے سلسلہ میں وہ اس سے پہلے کر چکا ہے وہ اک بار پھر اپنی محدود اور ناقص عقل پر اعتماد کر کے ایک ایسے نظام کو تجربہ کی سان پر چڑھانے لگا ہے جسکا نقص اور جس کے مضر نتائج ابتداہی سے روز روشن کی طرح واضح ہیں۔ دراصل جو نظام فساد سرمایہ داری کی اصل وجہ ہی نہ پہچان سکے وہ اسکی اصلاح کیا کریگا۔ اشتراکی معاشی نظام نے بنیادی ٹھوکر یہی کھائی ہے کہ وہ سرمایہ داری کے نتیجے میں پیدا ہونے والی اصل بیماری کی صحیح تشخیص ہی نہیں کر سکا۔ یہی وجہ ہے کہ غلط تجویز کی راہ پر پڑ گیا۔ اشتراکیت نے سرمایہ داری کی تمام خرابیوں کی اصل جڑ انفرادی ملکیت کے جواز کو قرار دیا۔ چنانچہ اس نے اپنے فلسفۂ معیشت کی بنیاد انفرادی ملکیت کے ابطال پر رکھی اور اس بات کو سرے سے نظر انداز کر دیا کہ انفرادی ملکیت کا ابطال فطرت انسانی

کے تقاضوں کی عین ضد ہے۔ انفرادی ملکیت کا جواز تو وہ بنیاد ہے جس پر قدیم ترین زمانہ سے انسانی معیشت کی تعمیر ہوتی چلی آئی ہے۔ یہ تو بنی نوع انسان کے ہر فرد کا وہ حق ہے جسکو تمام مذاہب سارے فلسفہ ہائے حیات اور ہر زمانہ کے قوانین ابتدائے دنیا سے مسلّم مانتے چلے آئے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ سرمایہ داری کے فساد کے پیدا کرنے میں انفرادی ملکیت کے سرمایہ دارانہ تصوّر کا ایک حصّہ ضرور تھا مگر اس معنی میں نہیں کہ محض اس کا جواز ہی خرابی کی اصل وجہ ہو جیساکہ اشتراکیت نے سمجھا بلکہ وہ اس معنی میں تھا کہ نظامِ سرمایہ داری میں انفرادی ملکیت کے حصول کے حق اور اسکو اپنے تصرف و استعمال میں لانے کے اختیار کے معاملہ میں افرادِ معاشرہ کو بالکل بے قید اور بے لگام چھوڑ دیا گیا تھا۔ اور اس بات کا قطعاً کوئی انتظام نہ کیا گیا تھا کہ انفرادی حقوق کا استعمال اجتماعی مفاد کیلئے مضر نہ ہونے پائے۔ اشتراکیت کی نظر اس حقیقت کی طرف نہ گئی اس نے انفرادی ملکیت کو سرے سے ہی فساد کی جڑ سے تعبیر کیا اور اسکو مٹانے کے درپے ہوگئی، کہ نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری۔ مگر دنیا نے دیکھ لیا کہ اس کا نتیجہ بنی نوع انسان کے حق میں پہلے سے بھی زیادہ تباہ کن ثابت ہوا۔

جس حقیقت کیطرف انسان کی محدود و ناقص عقل راہ نہ پاسکی وہ انسان کے پیدا کرنے والے کی نظر سے پوشیدہ نہ تھی۔ اسلام جو خالق کائنات کا بھیجا ہوا دین ہے انسانی معیشت کے تمام پہلوؤں سے کماحقہٗ واقف تھا۔ اسے معلوم تھا کہ انفرادی اور اجتماعی حیثیتیں انسانی زندگی کے دو مختلف پہلو ہیں جن کا باہم مربوط رہنا انتہائی ضروری ہے۔ چنانچہ اس نے انفرادی ملکیت کے حق کو بدستور برقرار رکھا لیکن اسکو ایسی حدود و قیود کا پابند بنا دیا کہ ان کے ذریعہ سے اجتماعی مفاد کا تحفظ بھی بدرجۂ اتم حاصل رہا۔ اسلام نے انفرادی ملکیت کے حصول کو بھی جائز و ناجائز کی تفریق کا پابند بنا دیا اور اس پر انسانی تصرف و استعمال کے حق کو بھی محدود اور مقید کر دیا اور اس طرح ان تمام خرابیوں کا ابتدا ہی سے سدِ باب کر دیا جن سے سرمایہ داری کے مطلق و غیر محدود تصور ملکیت کے نتیجے میں آج ہم دوچار ہیں۔ زیرِ نظر تحریر میں اسی بات کا جائزہ لینا ہے کہ انفرادی ملکیت کے حق پر اسلام کی عائد کردہ حدود و قیود سرمایہ دارانہ نظام کی تمام خرابیوں کا کس طرح مکمل طور پر اور ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیتی ہیں۔

فسادِ سرمایہ داری کی اصل بنیاد | سرمایہ داری کی تمام تر خرابیوں کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اس نے انفرادی ملکیت اور اس کے حصول کی کوششوں کے سلسلہ میں اچھے اور بُرے

کی کوئی تمیز نہیں رکھی، اس نے شخصی آزادی کا ایک مبالغہ آمیز تصور اختیار کرتے ہوئے قطعاً اس بات کا خیال نہ رکھا کہ اس آزادی فرد کے نتیجے میں اجتماع کا مفاد مجروح نہ ہو اس نے افراد کو کھلی چھٹی دیدی کہ وہ جسطرح چاہیں دولت کمائیں اور اس کے جائز مالک بن جائیں۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ سرمایہ دار اپنے بدنام مفہوم میں سرمایہ دار بنتا ہی ناجائز ذرائع سے ہے اگر آج سود کا کاروبار بند کر دیا جائے۔ آلات مال کو ممنوع ٹھہرا دیا جائے۔ غائب سودے اور تجارتی قماربازی کو سرے سے ختم کر دیا جائے۔ TRADE CYCLE (کاروبار کا چکر) کے نام پر جو مصنوعی کساد بازاری ہر سال ارادتاً پیدا کی جاتی ہے، اسکی قانونی طور پر روک تھام کی جائے اسی طرح دولت کمانے کے دیگر وہ تمام ذرائع جو اجتماعی مفاد کے لئے نقصان دہ ہیں حکماً مسدود کر دئے جائیں گے تو ہزار کوششوں کے باوجود کوئی ایک شخص بھی اس قدر دولت مند نہیں ہوسکتا کہ اس پر سرمایہ دار کے مفہوم کا اطلاق ہوسکے۔ اسلام نے سرمایہ داری کی اس بنیادی خرابی کا پہلے ہی مرحلہ میں علاج کیا۔ اس نے ملکیت کے حصول کی کوششوں میں جائز و ناجائز کی تفریق رکھی۔ اس نے افراد معاشرہ کو دولت کمانے کی کھلی چھٹی نہیں دیدی کہ جسطرح چاہیں کمائیں بلکہ اس نے اجتماعی مفاد کا لحاظ رکھتے ہوئے تمام وہ ملکیتیں درست قرار دیں جو شارع کی مقرر کردہ قیود کے اندر رہ کر حاصل کی گئی ہوں، اور وہ تمام ملکیتیں ناجائز ٹھہرائیں جو ان قیود سے تجاوز کر کے تصرف میں لائی گئی ہوں۔

اسلام نے اس سلسلہ میں جو بنیادی اصول متعین کئے ہیں، وہ ہمیں قرآن حکیم کی اس آیت سے ملتے ہیں

یاایھا الذین آمنوا لاتاکلوا	اے ایمان والو آپس میں ایک دوسرے کا
اموالکم بینکم بالباطل	مال ناحق طور پر مت کھاؤ ہاں البتہ کوئی
الا أن تکون تجارۃ عن	تجارت باہمی رضامندی سے ہو اور اپنی
تراض منکم ولا تقتلوا	جانوں کو قتل مت کرو۔
انفسکم (سورہ نساء آیت ۲۹، ۳۰)	

اس آیت کی روشنی میں ملکیت اموال کے سلسلہ میں تین رہنما اصول سامنے آتے ہیں

اول یہ کہ ملکیت اموال کے حصول کیلئے تمام وہ طریقے ناجائز ہیں جن کو شریعت نے باطل ٹھہرایا ہے۔ جو خیانت اور بد دیانتی پر مبنی ہوں اور جن میں ایک فرد کا فائدہ دوسرے فرد کے

نقصان پر منحصر ہو۔

دوم۔ تمام وہ ملکیتیں ناجائز اور غیر قانونی ہیں جو باہمی رضامندی کے بغیر تصرف میں لائی گئی ہوں۔

سوم۔ حصولِ ملکیت کے وہ طریقے بھی باطل ہیں جو بالآخر تمہارے اپنے لئے موجب ہلاکت ہوں یا تمہارے ہم جنسوں کے لئے یعنی اجتماع کے لئے مضر ہوں۔

پہلا اصول لاتأکلوا اموالکم بینکم بالباطل کے الفاظ سے مستنبط ہوتا ہے۔ اس اصول کے تحت تمام وہ ملکیتیں آجاتی ہیں جو خیانت اور بد دیانتی کے ذریعہ سے حاصل کی گئی ہوں یا جو ایک فرد کے فائدے اور دوسرے کے نقصان پر مبنی ہوں۔ اس طرح چوری، رشوت، غبن ناپ تول میں کمی اور دیگر تمام دھوکے اور فریب کے کاروبار کے ساتھ ساتھ اکتسابِ مال کے وہ تمام ذرائع بھی ممنوع قرار پائے جو سود، جوا، سٹہ اور احتکار وغیرہ کے تحت آتے ہیں۔

دوسرے اصول کے تحت حصولِ ملکیّت کے تمام وہ ذرائع آجاتے ہیں جن میں فریقین کی باہمی رضامندی مفقود ہو۔ اسطرح الا أن تکون تجارۃً عن تراضٍ منکم کے الفاظ نے تمام وہ طریقے باطل ٹھہرا دئے جو دھوکے یا دباؤ پر مبنی ہوں۔ گویا اتلافِ مال کے تمام طریقے غائب سودوں کی ساری شکلیں تجارتی قماربازی کی کل صورتیں اور مصنوعی کسادبازاری کی تمام کوششوں کو اس آیتِ قرآنی نے ناجائز قرار دیدیا۔

تیسرے اصول نے جو لا تقتلوا انفسکم کے الفاظ سے مترشح ہے حصولِ دولت کے تمام وہ وسائل بھی مسدود کر دئے جن سے جھگڑے اور فساد کو راہ ملتی ہو یا جو انسان کے اپنے لئے مضر اور مفادِ عامہ کے خلاف ہوں۔ فحاشی پھیلانے والے کاروبار قحبہ گری، شراب اور دوسرے مسکرات کی صنعت و تجارت۔ اجارہ داریاں اور کسی معقول وجہ کے بغیر دولت اور اسکی پیدائش کے وسائل سے عام لوگوں کو کسی بھی طریقہ سے محروم کرنا سب اسی اصول کے تحت آتے ہیں۔

اب ذرا غور فرمائیے کہ اسلام نے جن متذکرہ بالا ذرائعِ حصولِ ملکیت پر سخت قانونی بندشیں عائد کر دی ہیں۔ کیا یہی وہ طریقے نہیں ہیں جن کے ذریعہ لوگ کروڑپتی اور ارب پتی بنتے ہیں۔ اسلام نے اکتسابِ مال کے جن وسائل کو جائز ٹھہرایا ہے۔ ان کی حدود میں رہ کر کیا اشخاص کیلئے بے اندازہ دولت سمیٹتے چلے جانے کا کوئی امکان باقی رہ جاتا ہے۔ حصولِ ملکیت کے ان

ذرائع کو ممنوع ٹھہرا کر کیا اسلام نے سرمایہ داری کی تمام خرابیوں کا پہلے ہی مرحلہ میں صفایا نہیں کر دیا۔
حصولِ ملکیت کے حق کو محدود و مقید کرنے کے ساتھ ساتھ اسلام نے انفرادی ملکیت پر تصرف و استعمال کے حق کو بھی چند حدود و قیود کا پابند بنایا تاکہ ایسی صورت حال ہی پیدا نہ ہونے پائے کہ لوگ اکتساب مال کے ناجائز ذرائع کو اختیار کرنے پر اپنے آپ کو مجبور پانے لگیں نیز سرمایہ دارانہ معاشرہ میں جو دیگر خرابیاں اس راہ سے جنم لیتی ہیں ان کا بھی انسداد ہو جائے۔ آئیے ذرا جائزہ لیں کہ ان حدود و قیود کے ذریعہ سے اسلام سرمایہ دارانہ نظامِ معیشت کی کن کن خرابیوں کا سدِباب کرتا ہے۔

اتلافِ مال | نظامِ سرمایہ داری کی ایک بڑی خرابی یہ ہے کہ تاجر کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ جب چاہے جتنی مقدار میں چاہے اپنے اموالِ تجارت یا صنعتی و زرعی پیداوار کو بازار میں لانے کی بجائے ضائع کر دے خواہ کروڑوں آدمی ان اشیا کے ضرورتمند ہوں۔ جب تاجر یا صنعتکار یہ دیکھتا ہے کہ مال کے ایک حصہ کو ضائع کر دینے سے بقیہ مال کی قیمت چڑھ جائے گی تو اسکی خود غرضی اسے اتلافِ مال پر آمادہ کر دیتی ہے اور سرمایہ دارانہ مطلق تصورِ ملکیت اسکو اسکی اجازت دیتا ہے۔ مگر اسلام کی نظر میں مال و املاک کو جو انسانی زندگی کا سہارا ہیں ضائع کرنا پوری انسانیت کی حق تلفی اور اس پر ظلم کے مترادف ہے۔ قرآنِ کریم مال کے ضائع کر دینے کو فساد سے تعبیر کرتا ہے اور فساد پیدا کرنے کو حرام قرار دیتا ہے۔

واذا تولّٰی سعٰی فی الارض لیفسد فیھا ویھلک الحرث والنسل واللّٰہ لایحب الفساد۔ (سورہ بقرہ آیت ۲۰۵)	اور جب پیٹھ پھیر جاتا ہے تو اس دوڑ دھوپ میں رہتا ہے کہ زمین پر فساد کرے اور کھیتی اور جانوروں کو تلف کرے درآنحالیکہ اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسکی صراحت فرمائی ہے کہ مال کو ضائع کرنا ممنوع ہے۔

سمعت النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول ان اللّٰہ کرہ لکم ثلاثاً قیل وقال واضاعۃ المال وکثرۃ السوال۔ (بخاری کتاب الزکوٰۃ)	(مغیرہ بن شعبہ نے فرمایا) میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ اللہ نے تمہارے لئے تین چیزوں کو ناپسند فرمایا ہے قیل و قال کرنا مال ضائع کرنا اور کثرت سے سوال کرنا۔

یہی مضمون صحیح مسلم کی ایک مفصل حدیث میں بھی آیا ہے۔ اسکی تشریح کرتے ہوئے امام نووی رحمۃ اللہ علیہ

لکھتے ہیں :

"اضاعت مال سے مراد مال کو غیر شرعی طور پر صرف کرنا اور تلف بے جا کے حوالے کرنا ہے ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ یہ (معاشرہ میں) بگاڑ پیدا کرنے کے ہم معنی ہے۔"

دراصل انسان کو اللہ کیطرف سے اشیاء میں جو حق ملکیت عطا کیا گیا ہے اس کا منشاء یہ ہے کہ وہ اسے اپنے مقاصد حیات کے حصول کا ذریعہ بنائے اور مال کو ضائع کرنا اس منشاء کے منافی ہے۔ اسلامی تصور ملکیت کے مطابق ملکیت فی الحقیقت مالک حقیقی کی امانت ہے اور امین کو امانت کے ضائع کر دینے کا کوئی حق نہیں۔

استحصال بے جا سرمایہ دارانہ نظام کے نتیجے میں پیدا ہونے والی بیماریوں میں سے ایک بیماری سرمایہ دار کو استحصال بے جا کے مواقع فراہم کرنا ہے۔ اس نظام میں سرمایہ دار کو بازار کی قوتوں پر غیر معمولی قابو حاصل ہو جاتا ہے وہ جب چاہتا ہے اشیاء کو گراں کر کے یا بے جا نفع اندوزی کے ذریعہ دوسروں کو استحصال کا نشانہ بناتا ہے۔ چونکہ اسے بازار پر پوری اجارہ داری حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے اپنی مرضی کے مطابق اشیاء کی قیمت لاگت سے بہت زیادہ وصول کرتا ہے۔ اشیاء کا معیار گرا دیتا ہے۔ صرف نفع اندوزی کی خاطر سماجی ضرورت سے کم مقدار میں مال تیاری کرتا ہے۔ غرض اپنے نفع کو زیادہ سے زیادہ کرنے کی فکر میں وہ دوسروں کی مضرت کی پرواہ کئے بغیر جو پالیسی چاہتا ہے اختیار کرتا ہے۔ اور سرمایہ دارانہ نظام اسکی ان تمام پالیسیوں کو قانونی حفاظت بخشتا ہے۔ کیونکہ اسکی نظر میں فرد کو آزادی سعی کا پورا پورا حق حاصل ہے وہ اپنی پیداوار اور اشیاء کی تیاری کو جس قدر چاہے بڑھائے۔ جس قدر چاہے گھٹائے۔ اپنے مال کی جو قیمت چاہے رکھے جتنے آدمیوں سے جس اجرت پر چاہے کام لے اپنے کاروبار کے لئے میں جو پالیسی چاہے اختیار کرے۔ حکومت یا ریاست کو ان سارے معاملات میں مداخلت کا کوئی حق نہیں۔ اس کے نزدیک معیشت کا یہ فطری عمل ہے۔ جس میں کسی بھی قسم کی مداخلت معیشت کے توازن کو بگاڑنے کے ساتھ ساتھ انفرادی ملکیت کے حقوق پر دست اندازی کے مترادف ہے۔ مگر اسلام اس نقطۂ نظر کا سخت مخالف ہے۔ وہ کہتا ہے فرد کو اپنی ملکیت اس طرح استعمال کرنے کا کوئی حق نہیں جس سے دوسرے اشخاص یا بحیثیت مجموعی پورے معاشرہ کو نقصان اور ضرر پہنچے۔ صرف دانستہ نقصان پہنچانے

ہی کا ذکر نہیں بلکہ وہ دوسروں کو مضرت رسانی کا ارادہ نہ بھی رکھتا ہو تو بھی اگر اس کے کسی مالکانہ تصرف سے دوسروں پر مضر اثرات مرتب ہوتے ہوں تو اس کے ذمہ واجب ہے کہ وہ اپنے تصرف میں اسطرح ترمیم کرے کہ دوسرے اس کے مضر اثرات سے محفوظ رہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی مضرت رسانی سے اجتناب کی تاکید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

لاضرر ولاضرار فی الاسلام	اسلام میں مضرت رسانی کی کوئی گنجائش نہیں
(یحییٰ ابن آدم کتاب الخراج)	نہ ابتداءً نہ جوابی کارروائی کے طور پر۔

ایک اور موقعہ پر آپ نے ارشاد فرمایا:

من ضار ضار الله بہ ومن شاق	جو کسی دوسرے کو نقصان پہنچائے گا۔ اسکو
شق الله علیہ۔	اللہ نقصان پہنچائے گا۔ اور جو کسی دوسرے
(ترمذی باب ماجاء فی الخیانۃ والغش)	کو تکلیف دیگا اسکو اللہ تکلیف دیگا۔

اسی عدم مضرت رسانی کے اصول کے تحت اسلام اس بات کی قطعاً اجازت نہیں دیتا کہ مال کو مہنگا کرنے کیلئے ذخیرہ اندوزی سے کام لیا جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح الفاظ میں اسکی ممانعت فرمائی۔ حضرت ابوہریرہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من احتکر یرید ان یتغالی	جو مسلمانوں کیلئے نرخ گراں کرنے کی نیت
بہا علی المسلمین فھو خاطئ و	سے ذخیرہ اندوزی کرے وہ غلط کار ہے
قد برئت منہ ذمۃ الله۔	اور اللہ اس سے بری ہے۔
(حاکم: مستدرک: جلد ۲ ص ۲)	

...

دراصل اسلام کی نظر میں ہر ایسی کوشش مذموم ہے جو بازار کے نرخ کے فطری عمل میں دخل دینے کے مترادف ہو اور جس کا مقصود اشیائے تجارت کو گراں کرنا ہو خواہ وہ اشیا کی رسد میں مصنوعی طور پر کمی کر کے حاصل کیا جائے یا کسی دوسرے طریقہ کے ذریعہ ہو۔ اس قسم کی دخل اندازی پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شدید وعید سنائی ہے۔ مسند ابوداؤد میں حضرت معقل بن یسار سے ایک روایت ہے۔ آپ نے فرمایا:

سمعت رسول الله صلی الله علیہ	میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ
وسلم یقول من دخل فی شئ	فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص مسلمانوں
من اسعار المسلمین لیغلیہ علیھم	کے بازار کے نرخ میں اس لئے دخل
	دے کہ اسے گراں کردے تو اللہ تعالیٰ

کان حقاً علی اللہ تبارک وتعالیٰ ان یقذفہ فی معظم النار یوم القیامۃ۔
کے لئے ضروری ہوجاتا ہے کہ قیامت کے دن اسے زبردست آگ میں جھونک دے۔

اسی طرح خریدار کی شدت احتیاج اور اسکی اضطراری کیفیت سے فائدہ اٹھا کر اشیاء کو مہنگے داموں فروخت کرنے کی بھی اسلام اجازت نہیں دیتا۔ فقہاء نے ایسے معاہدے کو بیع فاسد سے تعبیر کیا ہے۔ غرض اسلام ملکیت کے استعمال پر افراد کا ایسا کوئی حق تسلیم کرنے کو تیار نہیں جس سے دوسرے افراد یا بحیثیت مجموعی پورے معاشرے کو نقصان اور ضرر پہنچے اور اسطرح اسلام معاشرہ میں ہر قسم کے استحصال بے جا کا دروازہ ہی بند کر دیتا ہے۔

بے جا صرفِ مال اور عیش کوشی نظام سرمایہ داری میں چونکہ فرد کو اپنی ملکیت پر تصرف و استعمال کا بے قید حق حاصل ہے اس لئے ہر شخص کو کھلی چھٹی مل جاتی ہے کہ وہ اپنے مال کو جس مصرف میں چاہے استعمال کرے اور اس بات کی قطعاً کوئی پرواہ نہ کرے کہ اس کے کسی صرف مال سے معاشرہ پر کیا مضر اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ یا اس کا کوئی بے جا اور فضول مصرف معاشرہ کے دیگر ضرورتمند افراد کیلئے روزی کے کتنے مسائل پیدا کر دیتا ہے۔ وہ معاشرہ کے عام معاشی حالات سے بے نیاز اپنے آرام و آسائش کے اہتمام کی فکر میں لگا رہتا ہے محض اظہار ثروت اور دکھاوے کیلئے بے دریغ مال صرف کرتا ہے۔ اپنی ملکیت کو جوئے بازی اور حرام سٹہ بازی میں لگانے میں بھی کوئی باک محسوس نہیں کرتا۔ شراب، زناکاری اور دوسرے محرّمات پر مال صرف کرنے میں بھی اسے کوئی عار نہیں آتی اور سرمایہ دارانہ نظام ان تمام باتوں کو اسکا قانونی حق قرار دیتا ہے، کوئی اس کا ہاتھ پکڑنے والا نہیں ہوتا جو اسے بتائے کہ اس کے اس قسم کے بے جا صرفِ مال سے معاشرہ میں انفرادی و اجتماعی حالات کا توازن بگڑ رہا ہے۔ اور معاشرہ میں احساس محرومی، احساسِ کمتری، اخلاقی فساد اور حرص و ہوس کے امراض جڑ پکڑ رہے ہیں۔ اسلام ایسی صورتِ حال کا کسی طور روادار نہیں وہ ملکیت پر فرد کے حق تصرف و استعمال کو اس بات کا پابند بناتا ہے کہ وہ ایسی اغراض کیلئے استعمال نہ کیا جائے جنہیں شریعت نے ناجائز قرار دیا ہے بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر اسلام صرفِ مال اور استعمالِ ملکیت کو اس حد تک محدود بناتا ہے کہ وہ اسکی بھی اجازت نہیں دیتا کہ جائز اغراض میں سے بھی اگر کسی غرض کی تکمیل مال کی ایک خاص مقدار صرف کر کے کی جاسکتی ہے تو اس پر دانستہ اور بلا مزید فائدہ کے زائد مقدار مال صرف کیا جائے۔

غیر شرعی مصارف پر مال صرف کرنے کو اسلام تبذیر سے تعبیر کرتا ہے اور اسے خدا کی نافرمانی کے ہم معنی ٹھہراتا ہے۔ قرآن حکیم کا ارشاد ہے:

ولاتبذر تبذیرا ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین۔	اور مال کو فضولیات میں نہ اڑا بیشک فضولیات میں اڑا دینے والے شیطانوں کے بھائی بند ہوتے ہیں۔
(سورۃ الاسراء آیت ۲۵، ۲۶)	

شراب زناکاری جوا سٹہ اور دوسرے محرمات شرعیہ پر صرف مال سب اسی تبذیر کے تحت آتا ہے۔ باطل افکار وخیالات کی اشاعت اور فحش باتوں کی تشہیر پر مال خرچ کرنا بھی تبذیر ہی میں داخل ہے۔ محض اظہار ثروت اور نمود و نمائش پر صرف مال بھی اسی ذیل میں آتا ہے۔ غرض وہ تمام اغراض جو بذات خود ممنوع ہیں وہ تبذیر میں داخل ہیں اور ان پر صرف مال ممنوع ہے۔ تبذیر کے علاوہ جائز اغراض پر بھی ضرورت سے زیادہ صرف مال کو اسلام ناپسندیدہ قرار دیتا ہے۔ شرعی اصطلاح میں ایسے صرف مال کو اسراف کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

قرآن وحدیث میں جا بجا اسراف کی مذمت آئی ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

کلوا واشربوا ولاتسرفوا ان اللہ لایحب المسرفین۔	کھاؤ اور پیو لیکن اسراف سے کام نہ لو بیشک وہ (اللہ) مسرفوں کو پسند نہیں کرتا۔
(سورۂ اعراف آیت ۳۱)	

مال صرف کرنے سے آدمی کا مقصود اپنی ضروریات کی تکمیل ہوتی ہے یا سہولت اور آرام و سکون کے حصول کی خاطر مال صرف کیا جاتا ہے۔ بعض صورتوں میں مال کا استعمال زینت و آرائش کیلئے بھی کیا جاتا ہے۔ جس سے انسان کے ذوق جمال کو تسکین ملتی ہے۔ اسلام ان تینوں اغراض کو اسی حد تک جائز اور درست سمجھتا ہے جس حد تک ان میں اعتدال ملحوظ رہے اور جو فائدہ مطلوب ہے۔ اس کے لئے اتنا ہی مال صرف کیا جائے جتنا اس کے لئے کافی ہو۔ قرآن کہتا ہے:

والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذلک قواما۔ (سورۃ الفرقان آیت ۷)	(اللہ کے بندے وہ ہیں) جو خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں نہ بخل بلکہ ان دونوں کے درمیان اعتدال کی روش اختیار کرتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

كلوا واشربوا والبسوا وتصدقوا من غير اسراف ولا مخيلة۔ — کھاؤ پیو پہنو اور صدقہ کرو مگر اس میں اسراف یا گھمنڈ نہ ہو۔

(بخاری کتاب اللباس باب اول)

...

دراصل اسلام کے نزدیک مال و دولت زندگی کو باقی رکھنے کا ایک ذریعہ ہیں مگر خود زندگی کے بھی کچھ مقاصد ہیں۔ اسلام فرد سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ قیام حیات کے ضروری اہتمام کے بعد اپنے مال و دولت ان بلند تر مقاصد کے حصول کا ذریعہ بنائے نہ یہ کہ اسے عیش کوشی اور لذت اندوزی کی نظر کر دے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لذات دنیا میں انہماک اور مبالغہ کی حد تک آرام و سہولت کو ناپسندیدہ قرار دے کر اس سے اجتناب کی تاکید کی ہے۔ ارشاد ہے:

اياك والتنعم فان عباد الله ليسوا بالمتنعمين۔ — خبردار! عیش کوشی سے اجتناب کرو کیونکہ اللہ کے بندے عیش کوش نہیں ہوتے۔

(مشکوٰۃ باب فضل الفقراء)

...

گردش دولت کی ناہمواری سرمایہ دارانہ نظام کا پورا ڈھانچہ کچھ ایسی نہج پر کھڑا کیا گیا ہے۔ کہ اس میں قدرتی طور پر دولت کی گردش ناہموار رہتی ہے۔ پورے سماج کی دولت سمٹ کر چند ہاتھوں میں مرکوز ہو جاتی ہے۔ اور دیگر افراد معاشرہ غریب سے غریب تر ہوتے چلے جاتے ہیں۔ سود اور بنکاری کا نظام سرمایہ دار میں دولت جمع کرنے اور اس پر سود وصول کر کے اسے بڑھانے کی حرص کا مادہ پیدا کر دیتا ہے۔ وہ زیادہ سے زیادہ دولت جمع کرنے کی فکر میں لگا رہتا ہے۔ نتیجتاً دولت سمٹتی رہتی ہے۔ عوام کی قوت خرید گھٹتی چلی جاتی ہے۔ صنعت و تجارت کساد بازاری کا شکار ہونے لگتی ہے۔ اور بالآخر پورا معاشرہ معاشی تباہی کے دہانے پر جا کھڑا ہوتا ہے۔ اس صورت حال کے پیدا ہونے کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ سرمایہ دارانہ تصور ملکیت کی رو سے سرمایہ دار کو پورا حق حاصل ہے کہ وہ چاہے تو اپنا سارا مال جمع کر چھوڑے ایک حبہ بھی خرچ نہ کرے خواہ اس کے اس عمل سے معاشرہ میں کیسی ہی معاشی بدحالی کیوں نہ پیدا ہو رہی ہو۔ اسلام گردش دولت کی اس ناہمواری کا شدت سے سدباب کرتا ہے۔ سود کی حرمت اور نظام زکوٰۃ کے نفاذ کے ذریعہ اس بات کا خاص انتظام کرتا ہے کہ دولت چند ہاتھوں میں سمٹنے کے بجائے پورے معاشرہ میں گردش کرتی رہے۔ اسلام زائد از ضرورت دولت جمع کرنے کو معیوب قرار دیتا ہے۔ قرآن کریم کہتا ہے:

ولا يحسبن الذين يبخلون بما — اور جو لوگ اس مال میں بخل کرتے ہیں جو

آتٰھم اللہ من فضلہٖ ھو خیراً لھم بل ھو شرٌ لھم۔ (آل عمران: ۱۸۰)	اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دے رکھا ہے وہ ہرگز یہ نہ سمجھیں کہ یہ ان کے حق میں اچھا ہے، نہیں بلکہ ان کے حق میں بُرا ہے۔

اسی طرح سورۃ توبہ میں ارشاد ہے:

والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم۔	اور جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اسکو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو عذاب الیم کی خبر دیدو۔

اسلام دراصل فرد سے مطالبہ کرتا ہے کہ جو کچھ اسکی ملکیت میں ہے وہ یا تو اسے اپنی ضروریات پر صرف کرے یا دوسروں کو دیدے تاکہ وہ اپنی ضروریات پوری کر سکیں۔ اگر کسی کو جمع کرنے ہی کا شوق ہے تو اسے یہ توحق ہے کہ وہ جمع کرے مگر اسلام اس سے از روئے قانون اسکی اس جمع سے ۲½ فیصد رقم ان لوگوں کی ضروریات کیلئے لے لیتا ہے جو معاشی طور پر محروم رہ گئے ہیں۔ اسی کا نام زکوٰۃ ہے۔ اس کے بعد بھی دولت اگر کسی شخص کے پاس سمٹی رہ گئی ہے تو اس کے مرنے کے بعد اسلام اپنے قانونِ وراثت کے ذریعہ اس دولت کو پھر متعدد ہاتھوں میں پہنچا دیتا ہے۔ غرض اسلام نے اپنے معاشی نظام کی پوری تعمیر ایسے انداز سے اٹھائی ہے کہ اس میں گردشِ دولت کی ناہمواری پیدا ہی نہیں ہونے پاتی اور اسطرح سرمایہ دارانہ نظام کی ایک بڑی خرابی کا از خود علاج ہو جاتا ہے۔

اس پوری تفصیل کے بعد قارئین کو اندازہ ہوگیا ہوگا کہ اسلام نے انفرادی ملکیت کے حق کو حدود و قیود کا پابند بنا کر کیسے احسن طریقہ سے اجتماعی مفاد کا تحفظ کرنے کے ساتھ ساتھ افرادِ معاشرہ کی انفرادی و اجتماعی حیثیت کو کتنا باہم مربوط رکھا ہے اور اس طرح ان تمام خرابیوں کا ابتداہی میں مکمل سدباب کر دیا ہے جن سے آج ہم سرمایہ داری کے مطلق و غیر محدود تصورِ ملکیت کے نتیجے میں دوچار ہیں۔ فی الحقیقت نظامِ سرمایہ داری کے نتیجے میں انسانی معیشت جس فساد کا شکار ہے اسکی اصلاح کی واحد اور صحیح صورت ہی یہی ہے جو اسلام نے اختیار کی ہے۔ اشتراکیت کو تو اس فساد کی اصلاح کا محض دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ اشتراکیت نے انسانی معیشت کی اصلاح کا جو راستہ اختیار کیا ہے۔ وہ اصلاح کی بجائے فسادِ مزید کیطرف لے جاتا ہے۔ دلائل اور تجربہ دونوں اس حقیقت کے شاہد ہیں۔

حضرت مولانا لطافت الرحمٰن صاحب
جامعہ اسلامیہ بہاولپور

علامہ

علوم عربیہ، اور تفسیر کے ایک جلیل القدر امام

جار اللہ زمخشری

نسب و تعارف آپ کا پورا نام اور مختصر نسب نامہ یہ ہے۔ محمود بن عمر بن محمد بن عمر خوارزمی زمخشری تجاوز اللہ عن فرطاتہ وسامح عن زلاتہ۔

ولادت و وفات آپ کی ولادت روز چہارشنبہ تاریخ ۲۷ رجب ۴۶۷ھ کو مقام زمخشر میں ہوئی اور وفات ۹ ذی الحجہ (لیلۃ العرفہ) کو مقام جرجانیہ میں واقع ہوئی۔ زمخشر کے متعلق وہ خود فرماتے ہیں کہ وہ خوارزم کی بستیوں میں سے ایک غیر معروف بستی ہے۔ اگرچہ شیخ ابراہیم دسوقی نے کہا ہے کہ ھی قریۃ کبیرۃ من قریٰ خوارزم۔

جرجانیہ۔ نہر جیحون کے کنارے پر واقع ہے جس کے متعلق یاقوت حموی معجم البلدان میں لکھتے ہیں کہ یہ لفظ ان کی لغت میں کرکانج تھا جو تعریب کے بعد جرجانیہ بن گیا ہے۔ علامہ مرحوم کی وفات اس وقت واقع ہوئی، جبکہ وہ مکہ مکرمہ سے واپس خوارزم تشریف لے آئے۔ مرحوم کی وفات پر علماء وفضلاء نے جو قصائد اور مراثی لکھے ہیں۔ ان میں یہ شعر تمام کی جان ہے ؎

فَارْضُ مَکَّۃَ تَذْرِی الدَّمْعَ مُقْلَتُہَا ... حُزْنًا لِفُرْقَۃِ جَارِ اللّٰہِ مَحْمُوْدٖ

یعنی سرزمینِ مکہ جار اللہ محمود کی مفارقت و رحلت پر رنج وغم کی وجہ سے رو رہی ہے۔

دراصل کسی کی موت پر زمین یا دیگر غیر جاندار چیزوں سے غم و اندوہ کا ذکر تو کثرت سے شعراء کا معمول ہے۔ مثلاً متنبی محمد بن اسحاق تنوخی کی وفات پر کہتا ہے ؎

وَالشَّمْسُ فِی کَبِدِ السَّمَاءِ مَرِیْضَۃٌ ... وَالْاَرْضُ وَاجِفَۃٌ تَکَادُ تَمُوْرُ

یعنی آسمان کے اندر سورج بیمار ہے اور زمین پر بھی لرزہ ہے۔ قریب ہے کہ چل پڑے۔

---

[1] ترجمۃ المؤلف ملحق کشاف ص ۳۷۳ طبع مصر۔

ایک شاعر نے جار اللہ زمخشری کی وفات پر سرزمین مکہ کے آنسو بہانے کا استعارہ لاکر حق جوار کی طرف بہترین اشارہ کیا ہے۔ فللّٰہ درہٗ ثم للّٰہ درہٗ۔

عقیدہ و مسلک | عقیدہ و مسلک کے لحاظ سے زمخشری فرقہ معتزلہ کے اجلہ علماء میں سے ہے۔ علامہ دمیری[۱] فرماتے ہیں:

وفی تاریخ ابن خلکان وغیرہ ان الزمخشری کان یعتقد الاعتزال ویتظاھر بہ وکان اذا استاذن علی صاحب لہ بالدخول یقول ابو القاسم المعتزلی بالباب۔	تاریخ ابن خلکان وغیرہ میں ہے کہ زمخشری کھلے طور پر اعتزال کا عقیدہ رکھتا تھا۔ اور جب کسی دوست کے یہاں اندر جانے کی اجازت طلب کرتے تھے تو کہتے تھے کہ ابوالقاسم معتزلی دروازہ میں ہے۔

...

زمخشری کے متعلق بغیۃ الوعاۃ[۲] میں سیوطی نے لکھا ہے:

کان کثیر الفضل غایۃ فی الذکاء وجودۃ القریحۃ متقناً فی کل علم معتزلیا قویا فی مذھبہ مجاھراً بہ حنفیاً۔	زمخشری ہر علم میں نہایت ذکی اور ذہین تھے اعتزال کا عقیدہ رکھتے تھے اپنے اس عقیدہ میں مستحکم تھے جسکا وہ چرچا کرتے تھے اور مذہب کے لحاظ سے حنفی تھے۔

صاحب کشف الظنون[۳] کہتے ہیں:

قال ابن خلکان وکان الزمخشری معتزل الاعتقاد۔	ابن خلکان نے کہا ہے کہ زمخشری اعتزال کا عقیدہ رکھتے تھے۔

البتہ زمخشری کے حالات میں ایک واقعہ پیش آیا ہے جس کو لوگوں نے مذہب اعتزال سے توبہ پر منطبق کر دیا ہے۔ ابن خلکان[۴] نے لکھا ہے کہ زمخشری نے مرتے وقت وصیت کی تھی کہ میری قبر پر ذیل کی ان تین اشعار کی تختی نصب کی جائے، جنکو وہ اپنی تفسیر (کشاف) میں مثلاً مابعوضۃً فما فوقھا۔ کے تحت نقل کر چکے ہیں۔ ابیات یہ ہیں:

یامن یری مد البعوض جناحہا   فی ظلمۃ اللیل البہیم الالیل

---

[۱] حیاۃ الحیوان صـ۱۲۹ ج۱ [۲] فوائد بہیہ صـ۲۱ [۳] صـ۱۴۷۶ ج۲ [۴] حیاۃ الحیوان صـ۱۲۹ ج۱

اے وہ اللہ جو انتہائی تاریک رات کے اندھیرے میں بھی مچھر کا اپنے پروں کو کھولنا دیکھتے ہیں۔

ویریٰ مناط عروقہا فی نحرھا — والمخ فی تلک العظام النحل

اور اس کے سینہ میں رگوں کے سرچشمہ کو اور اس کی نرم و نازک ہڈیوں میں گودے کو بھی دیکھتا ہے۔

امنن علیّ بتوبۃ تمحوا بھا — ماکان منی فی الزمان الاول

مجھ پر احسان کر کے میری توبہ قبول فرما کر مجھ سے اس گناہ کے لیے درگذر کر جو مجھ سے زمانہ اول میں سرزد ہو گیا تھا۔

چنانچہ اشعار بالا میں آخری شعر کے آخری مصرع "ماکان منی فی الزمان الاول" سے ان کا مقصد مذہب اعتزال کیطرف اشارہ کرنا مراد لیا گیا ہے۔

لیکن اس بارہ میں حسن ظن کی حد تک تو یہ بات درست ہے۔ اور میرے معلوم کرنے پر حضرت الاستاذ المحترم علامہ شمس الحق صاحب افغانی نے بھی (بلا حوالہ) اس کی تقویت فرما دی لیکن حتمی طور پر اس سلسلہ میں جزم و وثوق اس وجہ سے نہیں کیا جا سکتا کہ نظریۂ اعتزال میں مرحوم کی پختگی اور عمر بھر اس کا پرچار اور قرآن کی متعلقہ آیات سے اس کے لئے شواہد و دلائل کا استخراج (جن پر تنبیہ کرنے کیلئے اہل السنت والجماعت کیطرف سے امام ناصر الدین احمد بن محمد بن منیر اسکندری مالکی نے الانتصاف فی ما تضمنہ الکشاف لکھی۔) یہ تمام باتیں اسکی دلیل ہیں کہ عقیدۂ اعتزال ان کے رگ و خون میں جاری و ساری تھا۔ اور وہ اسی عقیدہ ہی پر جینا اور مرنا چاہتے تھے۔ تفسیر کشاف لکھنے کیلئے علماء کے الحاح و اصرار اور وفد جانے کی سلسلہ میں بھی وہ مذہب اعتزال کو معتزلہ کے مشہور عنوان "عدل و توحید" سے یاد کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں: فالیوا الا المراجعۃ لعظماء الدین و علماء العدل والتوحید۔" تو ان مطالبہ کرنے والوں نے میرے ہر انکار کو لوٹا دیا اور بزرگان دین اور عدل و توحید کے علماء کیطرف مراجعت کر کے مجھ سے تفسیر لکھوانے پر اصرار کرتے رہے۔"

بہر صورت اگر ان تمام حالات اور واقعات کے باوجود علامہ موصوف کی توبہ ثابت ہو جائے تو بہت بہتر ہے اور بالفرض اگر اس طرح ہو گیا ہے تو ظاہر ہے کہ قرب اجل نے آنکھوں سے وہ پردہ ہٹا دیا ہو گا جس کو کسی وقت اٹھنا ان کی مقدر میں تھا۔ کیونکہ مسلک اعتزال درحقیقت

عقلمندی کی روپ میں بے عقلی کا ایک دبیز پردہ ہے جو بڑے بڑے عقلاء اور کملاء کی عقول پر پڑتا ہے۔ جس کا سبب یہی ہوتا ہے۔ کہ یہ لوگ تمام تر اثاثہ نقل کو عقلِ انسانی کی ترازو سے تولتے ہیں۔ اور کتاب وسنت اور احکامِ شریعت کی ہر بات کو اس کی خام اور ناکام کسوٹی پر پرکھتے ہیں۔ حالانکہ انسانی عقل ہر چند کامل دمکمل کیوں نہ ہو۔ مگر وہ تعلیماتِ الٰہیہ کی راہ نمائی کے بغیر کسی کام کی نہیں ہے۔ امام غزالیؒ نے خوب فرمایا ہے کہ عقلِ انسانی ایک بہت ہی روشن چراغ ہے۔ مگر کیا دن کی روشنی اور سورج کی موجودگی میں وہ چراغ کام دے سکتا ہے۔؟ اگر جواب اس طرح نفی میں ہے جسطرح کہا گیا ہے۔ کہ ؎

رات محفل میں ہر اک مہ پارہ محو لاف تھا صبح کو جب سورج نکلا تو مطلع صاف تھا۔

تو پھر تعلیماتِ الٰہیہ کے آفتاب عالمتاب کے ہوتے ہوتے کیوں اس چراغ ہی سے کام لینے کی کوشش کی جائے۔ جو ایک محدود ماحول وفضاء (انسانی مادی زندگی) کے لئے تو بیشک کارآمد اور نافع ہے۔ لیکن دین وشریعت کی لامحدود وسعتوں تک اسکی رسائی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ جس سرحد پر پہنچ کر عقلِ انسانی کی قوت پرواز جواب دے جاتی ہے۔ وہاں سے بعض احکام شریعت کا آغاز ہوتا ہے اور اگرچہ یہ صحیح ہے کہ عقلِ انسانی کا دائرہ کار بھی فی نفسہ نہایت وسیع اور دقیع ہے۔ اور مادی کائنات میں اس کے کارنامے موجب حیرت ہیں۔ خاص کر دورِ حاضر میں سائنس کے ذریعہ انسانی ذہن ودماغ نے جو اعماق سمندر اور وسیع تر فضاء وخلاء کا کھوج لگایا اور دور دراز کے سیاروں کو قابو کر لیا۔ وہ انسانی پرواز عقل کی قابلِ قدر دوڑ ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس طرح کرنے کے لئے انسان کو نہایت رغبت بھی دلائی۔ اور سامان بھی فراہم فرمایا۔ ارشادِ خداوندی ہے:

ان فی خلق السموات والارض	بلاشبہ آسمانوں کے اور زمینوں کے بنانے
واختلاف اللیل والنھار لآیات	میں اور یکے بعد دیگرے رات اور دن کے
لاولی الالباب۔ الذین یذکرون	آنے جانے میں دلائل ہیں اہلِ عقل کیلئے جن کی
اللہ قیاماً وقعوداً وعلی جنوبھم	حالت یہ ہے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی یاد کرتے
ویتفکرون فی خلق السموات	ہیں۔ کھڑے بھی بیٹھے بھی اور لیٹے بھی اور آسمانوں
والارض ربنا ما خلقت ھذا باطلا	اور زمین کے پیدا ہونے میں غور کرتے ہیں کہ اے
سبحانک فقنا عذاب النار۔	ہمارے پروردگار آپنے اس کو لایعنی پیدا نہیں
(سورۃ آل عمران آیت ۱۹۰)	کیا ہم آپکو منزہ سمجھتے ہیں سو ہم کو عذاب دوزخ سے بچا لیجئے۔

لیکن بایں ہمہ جہاں تک تعلیمات اسلام کی وسعت وعظمت اور غموض و دقت کا تعلق ہے۔ وہاں انسانی عقل ناکام اور بے اثر ہو جاتی ہے۔ مثلاً عالم برزخ کے حالات جو کہ سفر آخرت کی پہلی منزل اور تعلیمات اسلامیہ کے ثانوی دور کا ایک ابتدائی مرحلہ ہے۔ اس کے بارہ میں انسان کے فہم وادراک اور فلسفہ وسائنس سب ناچار اور عاجز ہیں۔ اس موقع پر اکبر الہ آبادی مرحوم نے جدید تعلیم یافتہ عزیزوں پر نہایت عمدہ طنز کر کے فرمایا ہے ؎

کیوں کر خدا کے عرش کے قائل ہوں یہ عزیز   جغرافیہ میں عرش کا نقشہ نہیں ملا

خیر اس بحث سے ہمارے موضوع کو اس قدر تعلق تھا کہ زمخشری کے بارہ میں بعد از مرگ اس قسم کا خیال قائم کیا گیا ہے، جس سے آخر العمر میں اس مسلک اعتزال سے مرحوم کے تائب ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جس پر عمل پیرا فرقہ کو علماء اہل السنت والجماعت نے اس امت کے مجوس قرار دیتے ہیں۔ محب اللہ بہاری[1] فرماتے ہیں۔

وعند المعتزلہ قدرۃ موثرۃ   معتزلہ کے نزدیک انسان کے لئے قدرت

وھم مجوس ھذا الامۃ۔   مؤثرہ ہے اور وہ لوگ اس امت کے مجوس ہیں۔

طلب علم | تحصیل علم کے دوران مرحوم نے بلاد خوارزم کے علاوہ بھی دور و دراز کا سفر کیا ہے۔ بارہا بغداد بھی گئے ہیں۔ جبکہ اس وقت بغداد ہی علوم وفنون اور علماء کاملین کا مرکز تھا۔ وہاں آپ نے علوم عربیہ کی تکمیل ابوالحسن علی ابن مظفر نیشاپوری اور ابونعیم اصفہانی سے کی۔ تکمیل کے بعد مکہ مکرمہ جاکر بیت اللہ الحرام کے پڑوس میں رہائش کرنے لگے اور اس مناسبت سے انہوں نے اپنا لقب جار اللہ رکھا۔ جبکہ سابقہ لقب فخر خوارزم بھی تھا۔ چونکہ غالب مرحوم کا گھر بھی دہلی میں ایک مسجد کے پڑوس میں تھا اس وجہ سے وہ یہی فرما گئے ہیں ؎

مسجد کے زیر سایہ اک گھر بنا دیا ہے   یہ بندۂ کمینہ ہمسایۂ خدا ہے

افسوس کہ علم و کمال میں اتنا بلند مقام حاصل ہونے کے باوجود علامہ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ نہایت تنگدست رہے۔ اس سلسلہ میں حضرۃ الاستاذ المحترم علامہ شمس الحق صاحب افغانی نے خود زمخشری کے درج ذیل دو شعر نقل[2] فرمائے ہیں ؎

عنی عن الآداب لکننی اذا   نظرت فما فی الکف غیر الانامل

فکل امرء امثالہ عدد الحصیٰ   وھانت نظیری فی جمیع المحافل

---

[1] مسلم الثبوت ص۹   [2] کتاب الرشید ص۱۰

میں آداب و تعلیم سے تو مزید بے پرواہ ہوں۔ مگر جب دیکھتا ہوں تو ہاتھ میں انگلیوں کے علاوہ کچھ نہیں ہے، حالانکہ دوسرے لوگوں کے امثال بیشمار ہیں اور میری نظیر تمام محفلوں میں نہیں مل سکتی ہے۔

پھر اس غربت و تنگدستی کے علاوہ جس زحمت و کلفت میں اس نے علم حاصل کیا ہے، اس سلسلہ میں اس کے پیر کٹ جانے کا حادثہ بھی ہے۔ جسکی بابت اقوال تو مختلف ہیں۔ مگر سب کے درمیان کوئی خاص تعارض نہیں ہے۔ اقوال تین ہیں :

۱۔ شیخ ابراہیم دسوقی نے بعض کا یہ قول نقل کیا ہے کہ بلاد خوارزم میں سفر کے دوران وہ مسلسل چند دن برف میں چلتے رہے جس سے ان کو نہایت سخت سردی لگی۔ پیر شل سڑ گیا اور بالآخر اس کو کاٹنا پڑا۔ مرحوم نے اس حادثے کا ایک محضرنامہ بھی مرتب کیا جس میں اصل صورت حال اور سبب قطع کے باخبر لوگوں کی توثیق اور شہادت درج تھی۔ محضرنامہ مرتب کرنے سے ان کا مقصد یہ تھا کہ لوگ اس بارہ میں کوئی نامناسب اور خلاف واقع توجیہہ کرنے نہ لگے۔[1]

۲۔ مولانا عبدالحی رح نے بغیۃ الوعاۃ سے نقل کیا ہے کہ پیر میں نہایت خراب قسم کا پھوڑا نکلا تھا جسکے علاج کے سلسلہ میں انجام کار پیر کاٹا گیا اور اسکی جگہ لکڑی کا مصنوعی پیر لگایا گیا۔ جس پہ لامبا کپڑا ڈالے رکھا کرتے تھے۔ تاہم لنگڑاپن معلوم ہو ہی جاتا تھا۔[2]

۳۔ تیسری[3] وجہ وہ ہے جسکو زمخشری نے خود حنفی فقیہہ دامغانی کے سوال کے جواب میں بیان کیا ہے۔ جبکہ بغداد میں دونوں کی ملاقات کے وقت دامغانی نے قطع رجل کی وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ اس کا سبب میری اپنی والدہ کی بد دعا ہے جس کا قصہ یہ ہوا کہ میں نے بچپن میں ایک چڑیا کے پیر میں دھاگا باندھ لیا تھا۔ پھر چھوٹنے اور پکڑنے میں اس کا پیر کٹ گیا۔ چونکہ میری والدہ پہلے ہی سے اس طرح کرنے اور چڑیا کو اذیت دینے سے روکتی تھی اور میں نہیں رکا تھا۔ اس وجہ سے اسکی زبان سے بے ساختہ نکلا کہ قطع اللہ رجلك كما قطعت رجلها۔ (اللہ تعالیٰ تیرا پیر قطع کرے جیسا کہ تم نے اس کا پیر کاٹ دیا۔) پھر میں بخارا کیطرف جا رہا تھا، تو سواری سے گر پڑا۔ پیر ٹوٹ گیا، اور علاج قطع رجل پہ منتج ہوا۔

تصنیفات | اس سلسلہ میں مولانا عبدالحی[4] نے تو صرف اس قدر فرمایا ہے۔ وقد عد بعضهم

---

[1] ترجمۃ المؤلف ملحقہ کشاف صـ ۳۷۲ ج ۳ [2] فوائد بہیہ صـ ۲۱ [3] ترجمۃ المؤلف صـ ۳۷۳ [4] فوائد بہیہ صـ ۱۳۰

منہا ثلاثین۔ لیکن شیخ ابراہیم دسوقی نے اوّل تو کشاف کے متعلق لکھا ہے کہ صنف[1] التصانیف الکثیرۃ الغرر منہا۔ ھذا الکتاب فی تفسیر القرآن ولم یدرک شأوہ فیہ انسان۔ اس کے بعد تفسیر کشاف کے علاوہ فہرست دی ہے جو حسب ذیل ہے۔ المحاجاۃ بالمسائل النحویہ المفرد والمرکب فی العربیۃ۔ الفائق فی تفسیر الحدیث۔ اساس البلاغۃ۔ ربیع الابرار۔ نصوص الاخبار۔ متشابہ اسامی الرواۃ۔ النصائح الکبار۔ النصائح الصغار۔ ضالۃ الناشد۔ الرائض فی علم الفرائض مفصل فی النحو۔ الانموذج فی علم العربیہ۔ رؤوس المسائل الفقہیۃ۔ شقائق النعمان فی حقائق النعمان۔ شافی العی من کلام الشافعی۔ قسطاس فی العروض۔ معجم الحدود۔ منہاج فی الاصول۔ مقدمۃ الادب۔ وغیرہ وغیرہ۔

بہر صورت علامہ زمخشری کی سب سے پہلی تصنیف کشاف ہے۔ جس کے سبب تالیف بیان کرنے کے آخر میں فرماتے ہیں کہ اس تفسیر کی تصنیف پر زمانہ خلافت صدیق (دو سال تین ماہ آٹھ دن) کے برابر عرصہ گذرا۔ حالانکہ میرا اندازہ تھا کہ اس تفسیر کی تدوین و تصنیف پر تیس سال سے زائد وقت صرف ہوگا۔ لیکن صرف بیت اللہ کی شرافت و کرامت تھی جو تھوڑے عرصہ میں یہ بہت بڑا کام انجام پذیر ہوگیا۔[2]

جار اللہ زمخشریؒ کا علمی مقام نہایت ارفع و اعلیٰ ہے۔ خاص کر قرآن کریم کی فصاحت، بلاغت وجوہِ اعجاز اور اسالیبِ عربیت کے نکات و رموز میں ان کو جو حذاقت و مہارت اور یدطولیٰ حاصل ہے۔ اس کا اعتراف اہل السنت والجماعت کے سلف و خلف تمام وہی علماء کرام کرتے ہیں، جو اُن کے عقیدہ اعتزال کے مخالف ہیں ؎

ومليحة شهدت لها ضراتها　　　والفضل ما شهدت به الاعداء

اور لبسا اوقات کسی خوب صورت عورت کے حسن و جمال کی شہادت اس کو سوکنیں ہی دینے لگتی ہیں اور دراصل کمال وہ ہے جس کا اعتراف دشمن کو بھی کرنا پڑے۔

چنانچہ ان کی اس تفسیر (الکشاف عن حقائق التنزیل) کے متعلق سب مانتے ہیں کہ قرآن کے مذکورہ بالا اعجازی پہلو کے لحاظ سے اسکی نظیر نہیں ہے۔ صاحب کشف الظنون[3] نے لکھا ہے وقال السیوطی فی نواھد الابکار بعد ذکر قدماء المفسرین ثم جاءت فرقۃ اصحاب النظر

---

[1] ترجمۃ المؤلف صـ ۲۷۳ - [2] کشف الظنون صـ ۱۴۷۶ ج ۲ [3] صـ ۱۴۸۳ ج ۲

فی علوم البلاغۃ التی بھا یدرک وجہ الاعجاز وصاحب الکشاف سلطان ھذہ الطریقۃ ۔ فلذا طار کتابہ فی اقصی المشرق والمغرب ولما علم مصنفہ انہ بھذا الوصف وقد تجلی قال تحدثاً بنعمۃ ربہ وشکراً وھو الکتاب الذی قال المصنف فیہ ؎

ان التفاسیر فی الدنیا بلا عدد ولیس فیھا لعمری مثل کشافی

تفاسیر دنیا میں بے شمار ہیں مگر ان میں کشاف کی مانند نہیں ہے ۔

ان کنت تبغی الھدی فالزم قراءتہ فالجھل کالداء والکشاف کالشافی

اگر تم ہدایت چاہتے ہو تو کشاف کو پڑھ لو کیونکہ جہل ایک گونہ بیماری ہے اور کشاف اس سے شفاء دیتی ہے ۔

صاحب کشاف کا دوسرا رخ چونکہ نقائص اور خامیوں سے منزہ صرف ذات خداوندی ہی ہے۔ اس وجہ سے زمخشری کی طرف عقیدہ اعتزال کے علاوہ بھی بہت خامیاں منسوب ہیں۔ صاحب کشف الظنون[1] فرماتے ہیں کہ تفسیر کشاف میں جب وہ ایسی آیات کی تفسیر کرتا ہے جو اس کے مقصود سے مساعد نہ ہوں، تو صرف اپنی خواہش اور مذہب اعتزال پر منطبق کرنے کے لئے نہایت تکلف اور تعسف کا ارتکاب کرتا ہے ۔ اور بعض دفعہ اعتزال کی تائید میں ایسی باریک اور مخفی فریب کاری سے کام لیتا ہے جس کو بڑے بڑے ماہر ہی سمجھ سکتے ہیں۔ آخر میں چند خامیوں کے بیان میں فرماتے ہیں۔ ومنھا انہ یطعن فی اولیاء اللہ المرتضین من عبادہ ویغفل عن ھذا الصنع لفرط عنادہ ونعم ما قال الرازی فی تفسیر قولہ تعالیٰ "یحبھم ویحبونہ" خاض صاحب الکشاف فی ھذا المقام فی الطعن فی اولیاء اللہ تعالیٰ ۔ (ترجمہ : زمخشری کی خامیوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ اولیاء اللہ کے متعلق طعن کرتے ہیں اور یہ وجہ عناد کے اپنے اس کام کی برائی سے غافل ہے اور امام رازی نے "یحبھم ویحبونہ" کے تحت فرمایا ہے کہ اسی مقام پر صاحب کشاف نے اولیاء اللہ پر نہایت لعن طعن کیا ہے ۔)

آگے چل کر فرماتے ہیں : ومنھا انہ یذکر اھل السنۃ والجماعۃ بالمجبرۃ وتارۃ ینسبھم علی سبیل التعریض الی الکفر والالحاد وھذہ وظیفۃ السفھاء الشطار لا طریقۃ العلماء الابرار۔ (ترجمہ : اور ان غلطیوں میں سے یہ بھی ہے کہ وہ اہل السنت والجماعت کو کبھی مجبرہ کہتے ہیں کبھی بہ

---

[1] صفحہ ۱۴۸۲ ج ۲

طلوو تعریض کفر و الحاد کی نسبت بھی ان کی طرف کرتے ہیں حالانکہ یہ تو بے وقوف اور گستاخ لوگوں کا شیوہ ہے علماء ابرار کا نہیں ۔)

مولانا عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ زمخشری کے اس پہلو کے تحت علامہ قاری سے نقل فرماتے ہیں۔ قال ھو حنفی الفروع معتزلی الاصول لہ دسائس خفیۃ علی کثیر من الناس فلھذا احرم بعض فقہائنا مطالعۃ تفسیرہ لما فیہ من سوء تعبیرہ فی تاویلہ۔ (ترجمہ : وہ فروع میں حنفی ہیں۔ اصول وعقاید میں معتزلی ہیں۔ اسکی کچھ دسیسہ کاریاں ہیں جو بہت سے لوگ ان کو نہیں سمجھتے ہیں۔ اور اس وجہ سے ہمارے فقہاء نے اسکی تفسیر کا مطالعہ حرام قرار دیا ہے ۔ کیونکہ اس نے تاویل و تفسیر کے سلسلہ میں بُری تعبیرات اور عنوانات سے کام لیا ہے ۔

اسی طرح زمخشری چونکہ فنِ حدیث کے ماہر نہیں تھے ، اسی وجہ سے اُن کی تفسیر میں بعض جگہ ضعیف اور موضوعی احادیث سے کام لیا ہے ان کی خامیوں اور بے احتیاطیوں میں شمار ہے۔ کشاف کی احادیث کی تخریج علامہ جمال الدین زیلعی نے کی ہے پھر اسکی تلخیص علامہ ابن حجر عسقلانی نے کرکے اپنی کتاب کا نام الکاف الشاف فی تخریج احادیث الکشاف رکھا ہے ۔ جس سے احادیث کشاف کی حیثیت تو واضح ہو جاتی ہے۔ "تاہم چونکہ وہ خود صاحب فن نہ تھے ، اس وجہ سے خود بھی اسی بے احتیاطی کا شکار رہے اور قاضی ناصر الدین بیضاوی جن کی تفسیر کو صاحب کشف الظنون نے " سید المختصرات " کے نام سے یاد کیا ہے۔ وہ بھی فضائل سور وغیرہ مواضع پر کمزور اور موضوعی احادیث کو ذکر کرتے رہے ہیں۔

مذہب و مشرب | اس عنوان سے میرا مقصد وہی عرف عام والا فقہی فروعی احکام کا طریق کار ہے جس کے متعلق یہ ثابت شدہ امر ہے کہ زمخشری احکام شرعیہ فرعیہ عملیہ میں حنفی مذہب پر عمل پیرا تھے ۔ جیسا کہ میرے اس مضمون کے اکثر حوالہ جات میں موصوف کے حنفی ہونے کا ذکر بھی صراحۃً آیا ہے ۔ اور اگرچہ علامہ مرحوم کے چند اشعار سے بہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ وہ ائمہ مذاہب میں سے کسی کے مقلد نہیں ہیں۔ لیکن وہ اشعار صرف علمی طنز و ظرافت کی سطح پر ایک چیز ہے ۔ در اصل وہ ان کے مقلد ہونے سے انکار نہیں ہے ۔ ان اشعار میں وہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے متعلق مذاہب اربعہ میں سے جس کسی مذہب کا اظہار کرتا ہوں تو لوگ اس کے متعلق کوئی نہ کوئی طعن لگانے کیلئے تیار ہو جاتے ہیں ۔ اس وجہ سے میں اپنا مذہب ظاہر نہیں کرتا ——— وہ

لہ فوائد بہیہ صـ۲۱۰

اشعار یہ ہیں :

اذا سألوا عن مذھبی لم ابح بہ واکتمہ کتمانہ لی اسلم

جب لوگ میرے مذہب کے بارہ میں مجھ سے سوال کرتے ہیں تو میں اس کو ظاہر نہیں کرتا ہوں بلکہ چھپاتا ہوں۔ چنانچہ اس چھپانے میں سلامتی ہے۔

تعجبت من ھذا الزمان واھلہ فی احد من السن الناس یسلم

اس زمانہ اور زمانہ والوں پہ مجھے تعجب ہے کیونکہ ان لوگوں کی زبان سے کوئی بھی سالم نہیں رہ سکتا۔

فان حنفیا قلت قالوا باننی ابیح الطلاء وھو الشراب المحرم

اگر میں اپنے آپ کو حنفی کہوں تو لوگ کہتے ہیں کہ طلاء کو مباح کر دیا حالانکہ وہ تو ناجائز شراب ہے۔

وان مالکیا قلت قالوا باننی ابیح بھم اکل الکلاب وھم ھم

اور اگر میں اپنے آپ کو مالکی کہتا ہوں تو لوگ کہیں گے کہ اس نے تو کتوں کا پس خوردہ حلال کر دیا ہے حالانکہ کتے تو بہر حال کتے ہیں۔

وان شافعیا قلت قالوا باننی ابیح نکاح البنت والبنت تحرم

اور اگر میں شافعی کہوں تو لوگ کہیں گے کہ اس نے تو بیٹی سے نکاح مباح کر دیا حالانکہ بیٹی تو محرمات میں سے ہے۔

وان حنبلیا قلت قالوا باننی ثقیل حلولی بغیض مجسم

اور اگر میں حنبلی کہوں تو لوگ کہیں گے کہ یہ تو حلولی مبغوض اور موٹا ہے۔

وان قلت من اہل الحدیث وحزبہ یقولون تیس لیس یدری ویفھم

اور اگر میں اہل حدیث کہوں تو لوگ کہیں گے کہ یہ تو بدمست ہے کوئی فہم و عقل نہیں رکھتا ہے۔

تواضع اور خاکساری علماء کاملین میں جہاں ایک طرف علمی وقار و متانت اور رعب و جلال ہوتا ہے۔ وہاں دوسری اکثر و بیشتر کے اخلاق و عادات اور عام معاملات میں عجز و انکسار اور تواضع و سادگی کا جوہر گراں مایہ بھی ہوتا ہے۔ ائمہ کبار اور علماء عظام میں بہت ایسے ہوتے ہیں کہ علم و تقویٰ اور فضل و کمال کے تاجدار ہوتے ہوئے نہایت نرم مزاج اور خاکسار ہُوا کرتے ہیں۔

علامہ جار اللہ مغفور و مرحوم بھی جلال و جمال کے ان دونوں پہلوؤں پر حاوی اور دونوں کمالوں کے حامل تھے۔ اس ضمن میں ان کے حالات کا ایک واقعہ پیش کرتا ہوں جو اس مقصد کے ثبوت کیلئے کافی ہے۔

حافظ ابوطاہر احمد بن محمد سلفی نے اسکندریہ سے ان کے نام اس وقت خط لکھا جبکہ وہ مکہ مکرمہ میں اقامت پذیر تھے۔ خط میں اس نے علامہ صاحب کی تصنیفات اور مسموعات کے بارہ میں سندِ اجازت طلب کر لی تھی۔ ایک سال جب اسی کو جواب نہیں ملا۔ تو دوسرے سال حجاج کے ذریعہ دوبارہ یاد دلایا۔ اور خود حاضر نہ ہو سکنے کی معذرت تحریر کر لی۔ جار اللہ صاحب نے اس خط کا جو طویل جواب دیا ہے اس کے ہر ہر لفظ میں وہ تواضع، کم علمی اور انکسار کا اظہار فرماتے ہیں۔ بہ طور مشت نمونہ از خروارے۔ جواب کا ایک مختصر نوٹ درج ذیل ہے۔

وما مثلی مع العلماء الاعلام الاکمثل السہا مع مصابیح السماء والجہام الصفر من الرہام مع الغوادی الغامرۃ للقیعان والاکام والسکیت المخلف مع خیل السباق والبغاث مع الطیر العتاق وما التلقیب بالعلامۃ الاشبہ الرقم بالعلامۃ والعلم مدینۃ احد بابیہا الدرایۃ والثانی الروایۃ وانا فی کلا البابین ذو بضاعۃ مزجاۃ ظلی اقلص فیہ من ظل الحصارۃ۔ یعنی بڑے بڑے علماء کی بہ نسبت میری وہ حیثیت ہے جو کہ آفتاب و ماہتاب کے آگے چھوٹے چھوٹے سیاروں کی ہے اور صبح کے زبردست برسنے والے بادلوں کے آگے زرد رنگ کے خفیف بادلوں کی ہے اور گھوڑ دوڑ میں تیز رفتار گھوڑوں کے آگے پیچھے رہنے والے سست اور کاہل گھوڑے کی ہے اور طاقتور اور عمدہ پرندوں کے آگے چھوٹے چھوٹے کمزور چڑیاؤں کی ہے۔ رہا یہ کہ میرا لقب علامہ ہے تو اسکی حیثیت تو ایک شناختی علامت کی ہے جو کسی چیز پر لگ جاتی ہے اور علم ایک شہر کی طرح ہے جس کے دو دروازے ہیں، ایک روایت کا دوسرا درایت کا تو میرا رخت و پونجی دونوں کے بازاروں میں ناقابلِ فروخت ہے اور میرا علمی سایہ ایک چھوٹے کنکر کے سایہ جیسا نہایت چھوٹا ہے۔ ■■

مرحوم اکابر کے چیدہ چیدہ خطوط
بنام شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہٗ

مولانا عبدالسمیعؒ ۔ دیوبندی[1]
مولانا مبارک علیؒ ۔ دیوبندی[2]

تبرکات و نوادر

برادرِ محترم جناب مولوی عبدالحق صاحب زید معالیکم

بعد سلام مسنون آنکہ آپ سے ملنے کو بہت دل چاہتا ہے۔ بندہ نے سنا ہے کہ حضرت مہتمم صاحب نے آپ کو طلب فرمایا ہے۔ اس لئے میری رائے ہے کہ جسقدر جلد ممکن ہو فوراً تشریف لے آئیں۔ ورنہ آپ کی توقعات کا خاتمہ ہو جائے گا۔ فقط والسلام

عبدالسمیع عفی عنہٗ - ۱۰ ربیع الاوّل ۱۳۶۲ھ

---

[1] حضرت مولانا عبدالسمیع مرحوم دارالعلوم دیوبند کے ممتاز اور اجلّہ اساتذہ میں سے تھے۔ حضرت مکتوب الیہ کے بھی نہایت شفیق استاد رہے۔ مولانا مرحوم اور آگے حضرت نائب مہتمم صاحب کے کئی خطوط سے حضرت شیخ الحدیث کے قیام دارالعلوم دیوبند تدریسی زمانہ اور حیثیت وغیرہ سوانحی امور پر روشنی پڑتی ہے۔ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ پاکستان و ہندوستان کے کئی مقامات پر تحصیل علم کے بعد ۱۳۴۷ھ میں بغرض تحصیل و تکمیل دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور ۱۳۵۱ھ میں فارغ التحصیل ہو کر گھر تشریف لائے۔ ان خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ اساتذہ دیوبند کے اصرار اور تقاضوں پر شوال ۱۳۶۲ھ میں بغرض تدریس دارالعلوم دیوبند میں آپ کی تقرری ہوئی۔ زمانہ فراغ سے دارالعلوم دیوبند میں تقرری تک تقریباً دس سال کی یہ مدت آپ نے اپنے گھر میں درسِ نظامی کی اکثر و بیشتر کتابوں کی تدریس میں گذاری۔ حضرت مولانا عبدالسمیع مرحوم کے ان ہر دو خطوط سے بھی دارالعلوم دیوبند میں آپ کی طلب، اساتذہ کے اعتماد اور محبت پر کچھ روشنی پڑے گی۔ مولانا عبدالسمیعؒ کا زمانہ تدریس ۱۳۲۹ھ تا ۱۳۶۶ھ ہے۔

[2] حضرت مولانا مبارک علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۳۸۸ھ اکابر علماء میں سے تھے نصف صدی تک دارالعلوم دیوبند میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ ۱۳۵۰ھ تا وفات ۱۳۸۸ھ دارالعلوم کے نائب مہتمم رہے۔

برادرِ مکرم محترم جناب مولوی عبدالحق صاحب زید عنایتکم

بعد سلام مسنون آنکہ میں نے دو عریضۂ ارسال کئے مگر افسوس ہے کہ آپ نے ایک کا بھی جواب نہ دیا۔ خیر مضی مامضی اسوقت باعثِ تحریر یہ ہے۔ کہ میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا اور اسکو پورا کیا۔ مگر آپ نے پہلو تہی فرمائی۔ گذشتہ سال جناب مہتمم صاحب کو توجہ دلاکر اور پر زور سفارش کر کے آپ کو چند اشخاص سے ترجیح دلاکر خط میں نے بھی لکھا۔ اور حضرت مہتمم صاحب نے بھی یاد فرمایا مگر آپ نے وقت کو گذار دیا۔ اور تشریف نہ لائے۔ اب بھی آپ کو حضرت مہتمم صاحب نے خط لکھا اور آپ نے تشریف آوری کا وعدہ بھی فرمایا مگر ۹ر شوال گذر گئی اور آپ نہیں آئے۔ اس سے مجھ کو نہایت شرمندگی ہوئی۔ بنابراں یہ عریضہ ارسال خدمت ہے۔ آپ اسکو تار سمجھیں اور دیکھتے ہی فوراً روانہ ہو جائیں۔ تنخواہ کی کمی بیشی کا کچھ خیال نہ فرمادیں۔ اس وقت بھی مناسب تنخواہ پر آپ کو رکھ لیا جائیگا۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ جلد از جلد آپ کی ترقی کرادی جائے گی۔ ایسا وقت پھر ہاتھ نہ آئے گا۔ آپ کو اعلیٰ اور وسطیٰ درجہ کے اسباق دئے جائیں گے۔ اور آپ کسی امر کا اندیشہ نہ فرمادیں آپ کے ہمعصروں کی درخواستیں آئی ہوئی ہیں۔ اگر آپ تشریف نہ لائیں تو ان میں سے کسی کا انتخاب کر لیا جائے گا۔ اپنے والد صاحب بزرگوار سے میرا سلام مسنون فرمادیں۔ فقط والسلام

عبدالسمیع عفی عنہ، از دیوبند۔ ۹ر شوال ۱۳۶۲ھ

مولانا مبارک علیؒ دیوبندی

برادرِ محترم جناب مولانا عبدالحق صاحب زید مجدہ۔

گرامی نامہ مرسومہ حضرت مہتمم صاحب اور دوسرا بنام احقر موصول ہو کر کاشفِ حالات ہوا۔ کل ۸ر شوال ۱۳۶۴ھ سے امتحان داخلہ شروع ہو گیا ہے اغلب یہ ہے کہ ۲۰ر شوال تک اسباق شروع ہو جائیں گے۔ آپ نے احقر کو ۲۵ر شوال تک تشریف آوری کی اطلاع دی ہے۔ مناسب ہے۔ لیکن اسکی کوشش فرمادیں کہ جہاں تک ہو سکے جلد از جلد تشریف لادیں۔ حضرت مہتمم صاحب کل بروز یکشنبہ ملتان پنجاب تشریف لے گئے ہیں۔ آپ کا خط ان کے ملاحظہ میں آچکا ہے۔ اور اور آپ کی درخواست رخصت منظور کر لی گئی ہے۔ مدرسہ میں بفضلہ تعالیٰ بھمہ وجوہ خیریت ہے۔ حضرت قبلہ مولانا مدظلہ، سے واپس تشریف لے آئے ہیں۔ دہلی جمعیۃ العلماء کے اجلاس میں شرکت کیلئے تشریف لیگئے ہیں۔ اور کوئی جدید بات نہیں، امید ہے آپ مع متعلقین خیریت سے ہوں گے اپنے والد صاحب بزرگوار سے سلام مسنون فرمادیں۔ والسلام۔ ۹ر شوال المکرم ۱۳۶۴ھ

مخترم المقام زید مجدکم السامی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ گرامی نامہ نے مشرف فرمایا۔ آپ کی خالہ صاحبہ مرحومہ کے وصال کی خبر سے سخت قلق ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو اپنی جوار رحمت میں جگہ عطا فرما دے اور پس ماندگان کو صبر جمیل بخشے۔ آمین۔ آپ کی خیریت معلوم ہو کر اطمینان ہوا۔ حضرت مہتمم صاحب دہلی تشریف لے جا چکے ہیں۔ انشاء اللہ کل پرسوں تک واپسی متوقع ہے۔ مدرسہ میں بحمد للہ ہر طرف سے خیریت ہے۔ باقی عند التلاقی انشاء اللہ۔ اپنے والد صاحب کو سلام مسنون عرض فرما دیں۔

۸ر شوال المکرم ۱۳۶۶ھ

برادر محترم و معظم جناب مولانا عبدالحق صاحب زید مجدہٗ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ گرامی نامہ غیر مورخہ جو غالباً آخر ماہ دسمبر کا چلا ہوا ہے۔ جیسا کہ ڈاکخانہ کی مہر سے ظاہر ہوتا ہے۔ موصول ہو کر کاشف حالات ہوا۔ اس سے پہلے ایک لفافہ ماہ شوال ہوا تھا۔ اس کا جواب فوراً احقر نے ارسال خدمت کیا تھا۔ آپ کی مفارقت[1] سخت تکلیف دہ ہے اور ہم دست بدعا ہیں کہ آپ کی تشریف آوری جلد سے جلد عمل میں آوے۔ یہاں سے آپ کو اور مولانا محمد شریف[2] صاحب و مولانا عبدالحق نافع[3] کو ہوائی ڈاک کے ذریعہ خط لکھا گیا تھا کہ آپ حضرات

---

[1] حضرت شیخ الحدیث ۱۳۶۶ھ قیام پاکستان تک دارالعلوم میں فرائض تدریس انجام دیتے رہے تعطیلات رمضان میں گھر تشریف لائے تھے کہ ۱۹۴۷ء کے ہولناک واقعات نے دارالعلوم دیوبند سے یہاں کے روحانی فرزندوں کو جدا کر دیا جسم دور ہو گئے۔ مگر روح اور جذبات تڑپ رہے تھے روحانی اور علمی رشتے ایسے ظاہری اور مادی انقلابات سے کب متاثر ہو سکتے تھے۔ تقسیم کے بعد بھی عرصہ تک دارالعلوم دیوبند سے کافی کوشش ہوتی رہی کہ یہ حضرات کسی طرح وہاں پہنچ سکیں مگر حالات کے غیر یقینی اور مخدوش ہونے کی وجہ سے حضرت مکتوب الیہ کے والد بزرگوار مرحوم ایسے حالات میں دیوبند جانے کی اجازت پر آمادہ نہیں ہو رہے تھے۔ مشیت ایزدی کو یہ منظور تھا کہ بہت جلد یہاں بھی اس سرچشمۂ فیض کی ایک نہر دارالعلوم حقانیہ کی شکل میں جاری ہو سکے اور بہت جلد پردۂ غیب سے بغیر اسباب و وسائل اور ارادہ و منصوبہ کے یہ دینی ادارہ ظہور پذیر ہو گیا۔

[2] حال شیخ الحدیث مدرسہ خیر المدارس ملتان۔ [3] حضرت علامہ مولانا عبدالحق نافع کاکاخیل جو گھر پر مقیم ہیں۔

★

ہوائی جہاز سے تشریف آوری کی سعی فرمائیں ممکن ہے کہ آپ حضرات کے پاس خطوط پہنچے ہوں۔ مگر تشریف آوری کی کوئی صورت نہ ہو سکی ہو۔ اب ہم آپ کی تشریف آوری کے لئے دوسرے طریق سے فکر کر رہے ہیں۔ خدا تعالیٰ کامیابی عطا فرماوے اور آپ تشریف لا سکیں۔ حضرت قبلہ مولانا مدنی مدظلہٗ پرسوں مولانا آزاد کی دعوت پر دہلی تشریف لے گئے ہیں۔ آپ حضرات کے بارہ میں بھی انشاء اللہ تعالیٰ سعی فرماویں گے اور کامیاب ہوں گے یہاں دیوبند میں بفضلہٖ تعالیٰ ہر طرح سے خیریت ہے مسعود سلمہٗ کا ڈھائی ماہ کے بعد پتہ چلا ہے کہ وہ مع متعلقین قلعہ بہادر گڑھ کیمپ ریاست پٹیالہ میں ہیں یہ خط ان کا پرسوں ہی آیا ہے۔ مزید حالات انشاء اللہ بوقت ملاقات گفت و شنید میں آئیں گے۔ حضرت مہتمم صاحب خیریت سے ہیں۔ سعید سلمہٗ بھی بفضلہٖ تعالیٰ خیریت سے ہے مدرسہ میں بھی بفضلہٖ تعالیٰ ہر طرح خیریت ہے۔ مولانا ابراہیم صاحب بلیاوی[1] شوال کے شروع میں تشریف لے آئے تھے، خیریت سے ہیں اور کوئی جدید بات نہیں۔ امید ہے آپ مع جملہ متعلقین خیریت سے ہوں گے۔ والد صاحب سے سلام مسنون فرمادیں۔

یوم پنجشنبہ۔ ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۶۶ھ

برادر مکرم سلمہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ امید ہے کہ حضرت مہتمم صاحب کی دعوت[2] پر آپ لبیک کہیں گے اور جلد از جلد برائے ملاقات تشریف لے آویں گے۔ خادم زادہ سعید سلمہٗ سلام عرض کرتا ہے۔ امید ہے کہ آپ مع الخیر ہوں گے۔ والسلام۔

۱۰ ربیع الاوّل ۱۳۶۲ھ

برادر محترم مولانا عبدالحق صاحب زید مجدہٗ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ گرامی نامہ نے مشرف فرمایا۔ آپ نے اس احقر کے متعلق جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ بر بنائے حسن ظن ہے ورنہ میں تو کچھ بھی نہ کر سکا۔ اور اپنے امکانی استطاعت کے بموجب جو کچھ کیا تو یہ امر واقعہ ہے کہ وہ نہ صرف خصوصی باہمی تعلقات کی بنا پر بلکہ آپ کا استحقاق اور مفادِ دارالعلوم بھی اس میں پیشِ نظر رہا۔ اگر مجھ میں مزید قدرت ہوتی تو میں حسب منشاء نہ معلوم کیا اور کیا کرتا۔ میری تمنا ہے کہ آپ دارالعلوم میں طمانیت قلب کے ساتھ عزت اور راحت کی

---

[1] حضرت علامہ جامع معقول و منقول فاضل اجل صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند۔ المتوفی رمضان ۱۳۸۷ھ

[2] دارالعلوم دیوبند میں تدریس کے سلسلہ میں۔ [3] مولانا کے صاحبزادے مولانا احمد علی سعید نائب مفتی دارالعلوم دیوبند

کی زندگی بسر کریں اور دن دونی رات چوگنی ترقیات آپ کو حاصل ہوں۔ میری یہی خواہش سعید سلمہ کے متعلق بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو بھی میدانِ علم میں ہر قسم کی ترقیات نصیب فرمادیں آمین۔ آپ بھی دعا فرمادیں۔ میری علالت کا سلسلہ چلا جاتا ہے۔ ضعف، معدہ کی شکایت ہے۔ روزے رکھ رہا ہوں دعا فرمادیں اللہ تعالیٰ توانائی وطاقت عطا فرمادیں۔ روزے بھی پورے کرادے۔ (آمین) سعید سلمہٗ کی والدہ تین روز سے علیل ہے۔ بخار کی شکایت ہے۔ آج بفضلہ تعالیٰ کسی قدر طبیعت سنبھلی ہوئی ہے اور رو بصحت ہے ـــــ خوشخبری ـــــ آپ نے سن لیا ہوگا حضرت قبلہ مولانا مدنی مدظلہم نینی جیل سے رہا ہو گئے ہیں۔ یہ اطلاع ہم کو پرسوں ملی تھی۔ یہ خط میں نے اس وجہ سے نہیں لکھا تھا کہ حضرت ممدوح کے یہاں تشریف آوری کا انتظار تھا خیال تھا کہ پہنچنے کی اطلاع آپ کو دونگا۔ لیکن حضرت قبلہ مدظلہٗ کے کل کے گرامی نامہ سے معلوم ہوا کہ الہ آباد، ٹانڈہ، لکھنو، مراد آباد، دہلی ہوتے ہوئے پرسوں، ترسوں تک یہاں پہنچیں گے۔ اس لئے یہ عریضہ آج لکھ رہا ہوں آپ حضرت مولانا کی خدمت میں فوراً مبارکبادی اور اشتیاق ملاقات کا خط لکھ کر روانہ فرمادیں۔ اپنے والد صاحب بزرگوار سے سلام مسنون عرض فرمادیں۔　　　فقط　　　سہ شنبہ ۹ رمضان ۱۳۶۳ھ

حضرت مولانا امین الحق صاحب شیخوپورہ

موجودہ معاشی بحران اور اسلام

سرمایہ دارانہ نظام

ہر ایک جاندار میں یہ فطری جذبہ موجود ہے کہ اس کو حق تعالیٰ کی دی ہوئی زندگی اور بخشی ہوئی قوت اور استعداد سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔ مگر انسانی افراط کا یہ جذبہ معاش وحیات کے وسائل کی کشاکش میں ایک دوسرے سے ٹکراتا ہے اس لئے قانونِ فطرت ہر ایک انسان کو اجتماعی زندگی بسر کرنے پر مجبور کرتا ہے اور تمام بنی نوع انسان کے لئے ایک ایسا صالح معاشی نظام پسند کرتا ہے جس کی بنیاد عدل اور حقِ معیشت کی مساوات پر قائم ہو اور کوئی فرد یا گروہ کسی فرد یا گروہ کو افلاس اور احتیاج کی الجھن میں نہ ڈالے۔

سرمایہ دارانہ نظام بے رحم اور کافرانہ اندازِ فکر کا نتیجہ | جیسا کہ قدیم عہد سے ایسے ظالم اور بے رحم گروہ کا تصوّر ممکن ہے جس نے غربت و احتیاج کا پھندا دوسروں کے گلے میں ڈالنا چاہا تھا۔ حضرت شعیبؑ کی قوم کے تمرد اور طغیان کی بعض بیہودگیوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پرانے زمانہ سے ایسا طبقہ ضرور موجود رہا ہے کہ دولت اور تمول کے باوجود بھی مارکیٹ میں ترقی اور اضافہ کی خواہش رکھتا تھا اور زیادہ سے زیادہ نفع کمانے اور سودا بازی کی بنیاد پر اس طبقہ کا معاشرہ قائم رہے۔ تمام انسانی آبادی کو احتیاج میں الجھانا اس کا مشغلہ اور کاروبار تھا۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ کی بندگی کی دعوت کے ساتھ ساتھ معاشی نصیحت کرتے ہوئے فرمایا (اے میری قوم! ناپ اور تول کو پورا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر مت دو اور زمین میں فساد مت برپا کرو۔)

اس قوم میں ظلم و زیادتی کا جو دستور تھا اسکی اصلاح کا حضرت شعیب علیہ السلام نے اسکو امر فرمایا اور کسی چیز میں بھی لوگوں کے جائز حقوق کو تلف کرنے کی ممانعت فرمائی۔ قوم نے جواب دیتے ہوئے کہا (کیا تیری نماز تجھ کو یہ امر کرتی ہے کہ ہم چھوڑ دیں جنکو پوجتے رہے، ہمارے باپ دادے یا جو کچھ

ہم اپنے اموال میں چاہتے ہیں کرنا چھوڑ دیں) حضرت شعیبؑ نے قوم کو نفع کمانے سے نہیں روکا بلکہ اس بات پر توجہ دلائی کہ تمہارے کاروبار میں حلال طریقہ سے اعتدال کے ساتھ تھوڑا سا نفع بھی بہتر ہے اس زیادہ نفع سے جو حرام طریقہ سے ہے اور لوگوں کے حقوق تلف کرنے اور عزبت میں مزید اضافہ کرنے کی راہ سے حاصل کیا جاتے۔ قوم نے حضرت شعیب علیہ السلام کے جواب میں یہ بتلانا چاہا کہ وہ مال اور دولت کے حاصل کرنے میں کسی قید کی پابندی نہیں چاہتے۔ نیز اس کے خرچ کرنے میں کسی شرط کو روا نہیں رکھتے۔ جسطرح چاہیں دولت کو حاصل کریں اور جسطرح چاہیں صرف کریں گے۔

یہی وہ پرانا بے رحم کافروں کا اندازِ فکر ہے جس نے جدید نظریات میں یہ صورت اختیار کرلی ہے کہ معاشی نظام کو صرف اس لئے قائم کیا جائے کہ اس کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ نفع کمایا جائے اور نفع بازی اور فائدہ طلبی کسی حد پر بھی جاکر ختم نہ ہوسکے۔ یہ نظریہ سرمایہ دارانہ نظام کا بانی ہے اور اس کے زیر سایہ سرمایہ دارانہ نظام پھلتا اور پھولتا ہے۔

ظالمانہ معاشی نظام سرمایہ داری | آجکل عالم کا سب سے اہم باب معاشی نظام کا باب سمجھا جاتا ہے۔ اور متمدن دنیا کے زیادہ تر مشہور دو نظام سرمایہ داری اور اشتراکیت، باہم متحارب اور متضاد نظام ہیں اور تیسرا نظام افراط و تفریط سے الگ عقلی اور فطری اصول پر مبنی اعتدال کو لئے ہوتے اسلام کا معاشی نظام ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کی بنیاد اسطرح آزاد اور خود مختار ملکیت پر ہے۔ جس میں حرام و حلال جائز و ناجائز ظلم و عدل جبر و مواساۃ میں فرق اور امتیاز کئے بغیر جسطرح بھی ممکن ہو دولت کو جمع کیا جائے۔ اور دولت کی طاقت پر جس قدر بھی زیادہ سے زیادہ نفع ممکن ہوسکتا ہے حاصل کیا جائے اور اس نفع میں مزدور کو جتنا بھی کم دیا جاسکتا ہے دیدیا جائے اور استحصالِ دولت اور مزدور کی محنت میں معتدلانہ توازن کو کچل دیا جائے اور مزدور کا منہ بند کردیا جائے تاکہ سرمایہ دار جن راہوں سے چاہے مزدور کو ان راہوں سے پھنسائے اور تباہ کردے اور سرمایہ دار کی حکومت اور برتری کے شکنجہ سے کسی وقت بھی مزدور کیلئے نکلنا آسان نہ رہے۔ اس نظام کی اہم بنیاد سود اور اجارہ داری پر قائم ہے۔ تمام بنک اور سودی کاروبار کے دوسرے شعبے اسی کے لئے ہیں۔ اور یہی سرمایہ دارانہ نظام کا مقصود حیات ہے۔ اس نظام میں سرمایہ بڑھانے کیلئے کسی قسم کی مذہبی اور اخلاقی پابندی نہیں ہے۔ بنی نوع انسان کی صحیح ہمدردی تعاون اور امداد باہمی کا وہ قانون جو انسان کی جبلت میں ودیعت کیا گیا ہے اس میں قطعاً مفقود ہے۔ سود ہو یا قمار بازی جسطرح بھی

دولت حاصل کی جاسکتی ہے۔ اس نظام کا حسین اور پسندیدہ شعبہ ہے۔ اور جسطرح اس نظام میں دولت حاصل کرنے کی شرط اور قید نہیں ہے اسی طرح دولت کے خرچ کرنے میں بھی مذہبی اور اخلاقی پابندی کا التزام نہیں ہے جسطرح کی عیش وعشرت کیلئے چاہو دولت خرچ کرو اور دولت کی فراوانی سے عالمی سیاست پر قبضہ کرلو۔ سرمایہ دارانہ نظام یورپ کی یہودی خصلت کی پیداوار ہے۔ سود اور اجارہ داری اس کے بنیادی اصول ہیں۔ سرمایہ دارانہ نظام کا تمام تر انحصار قومی قرضوں پر ہے۔ بنک قائم ہوئے اور مالی کاروبار کو اس طرح قائم کیا کہ سود پر حکومتوں کو قرضے مہیا کرنے لگے اور یہ قرضے اور بنکوں کا زیادہ تر کاروبار سود کی اساس پر چل رہا ہے۔ جس سے اسلام شدید اور صریح احکام میں اختلاف کرتا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام میں کاروباری مسابقت (آگے نکل جانا) خاص خصوصیت ہے۔ چھوٹے پیمانہ کے کاروباری ادارے یا تباہ ہوجاتے ہیں یا سب مل کر مقابلہ کے میدان میں مسابقت حاصل کرتے ہیں۔ تاکہ تمام دولت کو سمیٹ کر اپنے لئے مخصوص کرلیں اور انکی اجارہ داری دولت پر قائم رہے۔ پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسطرح کے تخصص اجارہ داری کی ممانعت فرمائی ہے۔

مسلم شریف اور ترمذی شریف کتاب البیوع میں مذکور ہے (حضورؐ نے ارشاد فرمایا احتکار کرنے والا اجارہ داری قائم کرنے والا گنہگار ہے) اسلام سرمایہ داری کی دونوں بنیادوں کا اصولاً مخالف ہے، اس لئے ہمیں یقین کرلینا چاہیئے کہ اسلام سرمایہ داری کا تحمل اور حمایت نہیں کرتا ہے۔ یہ درست ہے کہ سرمایہ داری کی بدولت دنیا ترقی کی نئی منزلوں سے آشنا ہوئی ہے مادی پیداواری میں اضافہ ہوتا ہے۔ نقل وحمل کے وسائل بہتر ہوسکتے ہیں اور مزدور کو محنت کیلئے وسیع اور زیادہ نفع بخش میدان مل سکتا ہے اور اس کا معیار زندگی پہلے سے بلند ہوسکتا ہے۔ لیکن انسانی نشو وارتقاء کے مقصد عظیم اخوت اور مفاد عامہ کے اصول کے پیش نظر یہ سب فریب اور سراسر دھوکہ ہے اس طرح کی اجارہ داری اور کمپنی کی شکل میں حرص انگیز معاملہ تجارتی بنیاد پر کیا جاتا ہے۔ اور قوموں اور افراد کی باہمی عداوت اور استحصال بالجبر اور عام آبادی کو چند مخصوص سرمایہ داروں کے غلام بنانے میں اہم اور اولین بنیاد ہے۔ اور اسی نظام نے اقتصادی ترقی کے نام سے اطراف عالم کے کونے کونے میں بے اطمینانی اور شر انگیزی اور مہذب ڈاکہ زنی کو عام کردیا ہے۔ جب سے صنعت وحرفت انسانی ہاتھوں سے نکل کر مشینوں اور کلوں کے قبضہ میں آگئی ہے تو سرمایہ داروں کیلئے دولت کے دروازے کھل گئے ہیں۔ سرمایہ داروں نے

ملیں اور کارخانے قائم کئے اور اپنے جیسے انسانوں مزدوروں پر آقائی کے پھندے ڈالے مزدوروں کی جان و آبرو پر قابض ہو گئے اور حیوانوں کیطرح مزدور کو اپنے مفاد کی قربانگاہ پر چڑھانا سرمایہ دار کی خوشحالی اور کامیاب مقصود زندگی ہے، سرمایہ داری کے قہر و تسلط نے ایسے ارباب تہذیب و تمدن کے ذہنوں کو اور ضمیر کو اس قدر ماؤف کر دیا ہے کہ غلامی کو لعنت کہنے اور اس کے خلاف بڑے زور سے پروپیگنڈا کرنے کے باوجود غلامی کے اس اقتصادی جال کی نہ صرف تحسین کرتے ہیں بلکہ اس کو سراہتے ہیں اور اسکی بندشوں کو قانون اور ضابطہ کی راہ سے زیادہ سے زیادہ مضبوط کرتے ہیں۔ دولت پر سرمایہ داری کے قبضہ کے بعد مزدور کے حاصل کرنے میں بڑی آسانی اور مدد مل گئی اور مزدور کی مجبوری اور اضطرار نے اس کا نرخ گرا دیا ہے اور اس بات کے باوجود کہ مزدور کی محنت نے دولت تجارت صنعتی کاروبار میں بے پناہ اضافہ کیا بلکہ مزدوروں کی محنت اور دولت کی پیدا دار اور اس میں اضافہ کی ذمہ دار ہے۔ مگر سرمایہ دار نے مزدور کی اجرت میں اضافہ نہیں کیا اور اس کے ضروری لوازم حیات کا احترام اور قدر نہیں کرتے، مزدور سے زیادہ سے زیادہ محنت کا مطالبہ کیا جاتا ہے اور کم سے کم محنت کا حق دیا جاتا ہے۔ مزدور کی اس قدر اجرت پر سرمایہ دار کبھی راضی نہیں ہوتا جس سے اس کیلئے معقول زندگی گزارنا ممکن ہو جائے۔ مزدور کی محنت کا اکثر و بیشتر نفع سرمایہ دار کارخانہ دار ہتھیا لیتے ہیں اور مزدور مرتے دم تک مزدور رہتا ہے۔

صنعتی کاروبار | صنعت و حرفت معاش کے پاکیزہ ذرائع ہیں۔ اسلام مفادِ عامہ اشتراک و تعاون کے اصول پر کسی ایک فرد یا متعدد افراد کے سرمایہ سے شرکت اور مضاربت کی بنیادوں پر ملوں اور کارخانوں کے چلانے کا انکار اور مخالفت نہیں کرتا ہے۔ اسلام ایسے معاملہ کو صحیح اور جائز تسلیم کرتا ہے کہ ایک طرف سے سرمایہ ہے اور دوسری طرف سے عمل اور محنت ہے مگر اسکی دو صورتیں ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ یا تو حسب سرمایہ منافع میں شریک ہیں اور یا سرمایہ اور محنت بحصہ مساوی یا حسب معاہدہ منافع میں شریک ہیں۔ جیسا کہ حضرت عمرؓ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے مشورہ سے اپنے دونوں بیٹوں حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور عبیداللہ بن عمرؓ سے منافع میں آدھا لیا تھا اور حضرت عثمانؓ نے سرمایہ کے عوض حضرت یعقوبؓ سے آدھا لیا تھا اور یعقوبؓ کو محنت کے عوض منافع میں آدھا دیا[1]

---

[1] موطا امام مالکؒ کتاب القراض۔

ابو عمرؒ فرماتے ہیں کاروبار کے اس طریقہ کی صحت و جواز پر علماء کو اتفاق ہے کہ ایک فریق کی دولت ہے اور دوسرے فریق کی محنت اور عمل ہے۔ حضرت عمرؓ حضرت ابن عمرؓ حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کے آثار اور احادیث اسکی مؤید ہیں ۱؎

سلف کے عہد میں مشینوں کے ذریعہ اور کارخانوں مزدوروں اور فنی ماہرین کی خدمات کے توسط سے مصنوعات کی تیاری اور فروخت کا عام رواج مجھے معلوم نہیں ہے جیساکہ عہد حاضر میں رائج ہے اس لئے میں نہیں جانتا کہ فقہاء نے شرکت اور مضاربت کے اصول کا صنعتی کاروبار پر اطلاق کیا ہے، لیکن اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ صنعتی کاروبار کی تنظیم سے معاشرہ کے ضروری مفادات وابستہ ہیں بلکہ کفالت عامہ دفاع اور دوسرے اہم امور کا اس سے گہرا تعلق ہے۔ اور روزی کمانے اور پسندیدہ مقاصد کے حاصل کرنے کا عمدہ اور نیک ذریعہ ہے۔ عہد حاضر کی معیشت میں تجارت وغیرہ کاروبار سے صنعتی کاروبار زیادہ اہم اور زیادہ مقدم ہے۔ لہٰذا اس کے ضروری اور مستحسن ہونے میں کلام نہیں ہے۔ اگر سلف کے عہد میں مشینوں کے ذریعہ صنعتی کاروبار کا عام رواج ہوتا تو کسی دریغ اور تأمل کے بغیر اس پر مضاربت کے اصولوں کا ضرور اطلاق کرتے۔ اور اسکی وجہ یہ ہے کہ فقہاء نے پیداوار عملی کی مثالیں دی ہیں اور ان کے جواز کو تسلیم کیا ہے۔

عملی پیداوار کی مثالیں | مثلاً امام محمدؒ فرماتے ہیں مضاربت میں کاروباری فریق کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ کوئی زمین کرایہ پر حاصل کرے اور مضاربت کے سرمایہ میں سے گیہوں خریدے اور اس زمین میں کھیتی کرے اور اسطرح اسکو یہ بھی اختیار ہے کہ اس زمین میں کھجور یا کسی اور چیز کے درخت لگائے یہ سارے کام جائز ہیں اور دونوں کے درمیان ایسے کاروبار کا نفع بھی ان شروط کے مطابق تقسیم کیا جائیگا جنکو طرفین نے طے کیا تھا۔ کیونکہ یہ بھی نفع کمانے کے طریقے ہیں ۲؎

مشینوں اور کارخانوں کے ذریعہ صنعتی کاروبار میں سرمایہ محنت اور ذرائع تینوں کو کمانے اور منافع حاصل کرنے میں دخل ہے۔ سرمایہ اور محنت میں مساوی حصہ ہونا چاہئے اور اگر دوسرے لوازمات میں بھی سرمایہ دار کے ساتھ مزدور شریک ہوتا ہے تو مزدور سے سرمایہ دار کا

۱؎ زرقانی ص ۳۲۲ ج ۴　۲؎ بدائع صنائع ص ۸۸ ج ۶　الفقہ علی المذاہب الاربعہ ص ۵۳ ج ۳

حصہ قطعی زیادہ نہ ہونا چاہیئے اور اگر لازم اور ضروری مصارف کو صرف سرمایہ دار برداشت کرتا ہے تو مزدور کو منافع کا تیسرا حصہ دیا جائے۔ جیسا کہ حضرت عمرؓ نے سرکاری زمینوں کا معاملہ کرتے ہوئے فرمایا تھا۔ اگر زراعت کے آلات وغیرہ بھی مزارعین کی طرف سے ہیں۔ تو حضرت عمرؓ کا تیسرا حصہ ہے اور ان کے دوثلث ہیں اور اگر حضرت عمرؓ بیج دیتے ہیں تو آپ کا آدھا حصہ ہے اور اگر تخم اور آلات وغیرہ حضرت عمرؓ دیتے ہیں تو ان کا تیسرا حصہ ہے اور حضرت عمرؓ کے دوثلث ہیں[1]۔

کارخانہ دار اور مزدور کا باہمی تعلق کس اصول پر ہو؟ غرض یہ ہے کہ حصہ داری متوسط کی بنیاد پر ہونی چاہیئے خواہ متوسط مالی ہے یا بدنی۔ اگر کارخانہ داروں اور مزدوروں میں حصہ داری کے اصول پر منافع کی تقسیم کی جائے جو شرعی اور منصفانہ طریقہ ہے تو کسی وقت بھی سرمایہ دار اور مزدور کیلئے جنگ کی گنجائش باقی نہ رہے۔

دوسری صورت کارخانہ داروں اور مزدوروں کے درمیان اور امداد باہمی کے اصول کے پیشِ نظر یہ کہ سرمایہ اور محنت میں ایسا معتدل توازن قائم رکھا جائے کہ مزدور سرمایہ دار کے گلوگیر بھی نہ ہو اور دولت پر صرف سرمایہ دار کی اجارہ داری نہ رہے کہ دولت صرف سرمایہ دار کے گرد گھومتی رہے اور محنت کی قدر و منزلت اور اس کے حق کا احترام و تقدس نظر انداز کیا جائے۔

اسلام میں مزدور کی محنت کا تحفظ اور اسکی قدر و منزلت اسلام نے محنت اور مزدور کا مقام بلند کیا ہے اور اس کے حق الخدمت کے احترام اور حفاظت کا امر فرمایا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا میری قوم کے لوگ جانتے ہیں کہ میرا پیشہ میرے گھر والوں کی کفالت سے عاجز نہ تھا۔ لیکن اب میں مسلمانوں کے کام میں مشغول ہو گیا ہوں۔ لہذا ابوبکرؓ کے گھر والے اب بیت المال سے کھائیں گے اور اس کے بدلہ مسلمانوں کے اموال ان کے مصالح ان کے احوال کی تنظیم وغیرہ امور کی نگرانی کریں گے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں صحابہؓ خود محنت کرتے تھے تو پسینہ کی بدبو آتی تھی اس لئے ان سے کہا گیا کہ کاش تم غسل کیا کرتے۔ حضرت مقدامؓ فرماتے ہیں حضورؐ نے فرمایا کسی شخص نے اپنے ہاتھ کی کمائی سے زیادہ پاک کھانا نہیں کھایا۔ اور اللہ کے نبی حضرت داؤدؑ اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھایا کرتے تھے[2]۔

---

[1] فتح الباری ج ۵ ص ۹ [2] بخاری کتاب البیوع ج ۱ ص ۲۷۸

اسلام کی حلقہ بگوش عظیم شخصیتوں کا معاش محنت اور عمل پر رہا۔ اسلامی سوسائٹی کے اولوالعزم ممبر صحابہؓ محنت و عمل سے روزی کماتے تھے۔ پیغمبر اسلام نے محنت و عمل کی روزی کو سب سے اونچا اور بہتر رزق فرمایا۔ اس لئے اس بزرگی و احترام کے نظریہ کے تحت اسلام مزدور کی محنت اور عمل کی اجرت کو مقدس حق قرار دیتا ہے۔ اور اس کے صحیح اور درست اندازہ اور ادا کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ اور محنت کرنے والوں کو پورا پورا حق اور نہ دینے والوں کے خلاف جنگ کا اعلان کرتا ہے۔ اور یہ ظاہر کرتا ہے کہ جس نے بھی محنت کار کو اسکی محنت کا صحیح متوازن حق نہیں ادا کیا ہے تو وہ اللہ سے لڑائی مول لیتا ہے۔

ابی ہریرۃؓ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تین طرح کے لوگ ایسے ہیں کہ میں قیامت کے دن خود ان سے نمٹنے والا ہوں۔ ایک وہ شخص ہے جس نے میری قسم کھا کر زبان دی اور پھر اس سے مکر گیا۔ دوسرا وہ شخص ہے جس نے آزاد شخص کو بیچا اور اس کی قیمت کو کھا گیا۔ اور تیسرا وہ شخص جس نے مزدور سے پورا کام لیا اور اسکی پوری محنت کا پورا اجر نہیں دیا۔ؔ

مزدور کی محنت کا متوازن اجر نہ دینا اور اپنی دولت میں مزید اضافہ کے خیال سے محنتکار کی مجبوری سے اس ذہنی خباثت میں فائدہ اٹھانا انسانیت کے ساتھ خیانت اور غداری ہے۔ اسلام محنت کار کو سماج میں ایک اہم مقام دیتا ہے اور اسکی محنت اور مادی ضروریات کے لحاظ اور نسبت پر اس کا پورا بدل اور اجر قرار دیتا ہے۔ اگر مزدور کی محنت کا اجر اسکی لازمی ضروریات کو پورا نہیں کرتا اگر اسکی محنت سماج میں بربادی اور ذلت سے اسکی حفاظت نہیں کرتی تو اسکی محنت کشی کا تمام مفاد صرف اس قدر ہو سکتا ہے کہ وہ سرمایہ دار کی دولت میں برابر اضافہ کرتا رہے اگرچہ خود موت کے قریب سے قریب تر ہو جائے اس سے زیادہ انسانیت کی توہین اور بے حرمتی اور کیا ہو گی۔

حضرت زبیرؓ بن العوامؓ اور حضرت ابی ہریرۃؓ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی شخص تم میں سے لکڑی کا گٹھا اپنی پیٹھ پر لاد کر مزدوری کر لیا کرے اس سے بہتر ہے کہ وہ کسی سے سوال کرے۔ؔ

ؔ بخاری شریف کتاب الاجارۃ ص ۳۰۲ ج ۱ ؔ بخاری شریف کتاب البیوع ص ۲۷۸ ج ۱

رسالت مآبؐ کا منشاء یہ ہے کہ محنت مزدوری ضروریات کی تکمیل رفع حاجات اور معاشرہ میں مانگنے سے محفوظ ہونے کیلئے ہے۔ اگر محنت کشوں کی مشقت ان مقاصد کو حاصل نہیں کرتی اور سرمایہ دار برابر ان کی محنت کا خون چوس رہا ہے تو محنت کار کیلئے سوا اس کے اور کیا چارہ ہے کہ یا تو اہل و عیال کا گلا گھونٹے یا سرمایہ دار کی دولت کو لوٹے۔ میں سمجھتا ہوں کہ مارکس کا نظریہ اشتراکیت اسی ردِ عمل کا رہین منت ہے۔

مزدور کی اُجرت کیا ہونی چاہئے۔ میرا خیال ہے کہ محنت کار کی صحیح اور پوری مزدوری یہ نہیں ہے جو سرمایہ دار نے اس کے لئے رکھی ہے اور مزدور نے اس کو تسلیم کر لیا ہے اگر سرمایہ دار مقررہ مزدوری اس کو ادا کرتا ہے تو یہ نہ سمجھا جائے گا کہ اس نے مزدور کو اس کا حق ادا کر دیا ہے بلکہ محنت کار کی پوری اجرت یہ ہے کہ اسکی محنت اور عمل کے منافع کے ساتھ اس کا مناسب توازن رہے جیسا کہ بازار میں اشیاء کا نرخ متوازن رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ بازار کے متوازن نرخ پر خواہ کوئی زیادتی کرے یا اس سے کم نرخ پر بیچے تو ارباب سیاست کا فرض ہوتا ہے کہ مفاد عامہ کے تحفظ اور عام ضروریات زندگی کی بسہولت تکمیل کے لئے اس میں دخل دے اور بیجا نفع اندوزی پر قدغن لگائے اور ضرر کے ازالہ اور مفاد عامہ کے تحفظ کی ضروری تدبیر کرے اور بازار کے متوازن نرخ کو خرابی سے بچائے۔

نرخوں کے توازن کا لحاظ امام مالکؒ فرماتے ہیں: حاطب بن بلتعہؓ بازار میں منقے بیچ رہے تھے، حضرت عمرؓ کا آپ پر گذر ہوا اور فرمایا یا تو اس کا نرخ بڑھا دو یا ہمارے بازار سے اٹھ جاؤ[1] نرخ بڑھانے کے یا تو یہ معنی ہیں کہ مثلاً ایک درہم کے بدلہ جس مقدار کا منقی دے رہے تھے۔ اس مقدار کو بڑھا دو۔ ابن رشدؒ نے یہی کہا ہے۔ اور یا یہ معنی ہیں کہ ایک درہم کے بدلہ جس قدر منقے دے رہے تھے اس مقدار کو کم کر دے جیسا کہ دوسرے بعض حضرات نے کہا ہے۔ دونوں صورتوں میں بازار کے متوازن نرخ کو نقصان پہنچ رہا تھا اور مفاد عامہ کو نقصان کا خطرہ تھا اس لئے حضرت عمرؓ نے آپ کو مذکورہ توبیخ فرمائی ہے۔ امام محمدؒ نے حضرت عمرؓ کے مذکورہ اثر کے روایت کرنے کے بعد لکھا ہے کہ میرا اور ابو حنیفہؒ اور ہمارے عام فقہاء کا یہ مسلک ہے کہ تسعیر کو جبراً روکا جائیگا[2]

---

[1] موطا امام مالک کتاب البیوع [2] موطا امام محمد کتاب البیوع

فقہاء نے لکھا ہے حاکم اس وقت تک نرخ میں مداخلت نہ کرے جبتک ارباب نرخ قیمت کی گرانی میں زیادتی پر نہ اتر آئیں۔ اس وقت امام کو اہل الرائے کے مشورہ سے نرخ مقرر کرنا چاہیئے۔ [1]

غرض یہ کہ جسطرح کے اصول اور حالات میں حکومت کو نرخ مقرر کرنے میں مداخلت کرنا لازم ہے اسی طرح انہی اصول اور حالات کے تحت اجرتوں اور معاوضوں کا حکومت کو تعین کرنا چاہیئے کہ اسلام کے قانون اقتصاد و جماعتی فلاح و بہبود کے قوانین کے مطابق ملوں اور کارخانوں کو جائز اور صحیح استعمال کے طریقے پر رکھے۔ اور ارباب دولت کو ایسے مواقع مہیا نہ ہونے دے کہ وہ مزدوروں کو اپنی مشین کے پرزوں ہی کیطرح سمجھ کر اپنی اغراض کا آلہ بنالیں کہ ارباب دولت مذموم سرمایہ داری کی حد تک نہ پہنچ سکیں۔ اور مزدور حیوان اور غلاموں کی طرح نہیں بلکہ باہمی تعاون کے ساتھ اپنی معاشی زندگی معزز انسانوں کی طرح حاصل کر سکیں۔ اس لئے کہ جنس محنت کی قیمت وصول نہیں کرتا، کارخانہ دار چالاک ہے اس کے ہتھکنڈے بڑے اور گہرے ہیں۔ مزدور مفلس اور فاقہ کش ہے۔ سرمایہ دار اس کو محنت کی کم سے کم قیمت پر راضی کر لیتا ہے اور خوش ہوتا ہے کہ اس نے اس کو مجبور نہیں کیا۔

مزدور کی مجبوری سے فائدہ نہیں لیا جاسکتا | مزدور اس اضطراری اجرت کو بمجبوری قبول کرتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے زیادہ بدحال مزدور اس سے بھی کم اجرت پر کام کرنے پر تیار ہو جائے۔ اور اس پر ستم یہ کہ مزدوری کم سے کم دی گئی ہے اور کام زیادہ سے زیادہ لیا گیا ہے اور مزدور ناداری اور تنگ حالی کے اضطرار میں سب کچھ منظور کر لیتا ہے لیکن یاد رہے کہ اسلام اس اضطراری حالت میں حاجتمند کی رضامندی کو اسکی مرضی تسلیم نہیں کرتا ہے۔ اور سرمایہ دار کے ایسے پھندوں کو ظلم قرار دیتا ہے۔

چنانچہ حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں: پس اگر مال میں زیادتی چاہنا ایسے کام کے ذریعہ سے ہے جسکو لوگوں کی معاونت میں دخل نہیں ہے جیسے قماربازی یا باہمی ایسی رضامندی سے ہے جو زبردستی کے معنی کے ساتھ مشابہ ہے جیسے سود۔ کیونکہ تنگ دست آدمی مجبور ہو کر ایسی چیز کو اپنے اوپر لازم کر لیتا ہے جس کا ایفاء نہیں کر سکتا اور اسکی رضامندی حقیقت

---

[1] ردالمحتار جلد ۵ باب الحظر والاباحۃ

کی رضامندی نہیں ہوتی ہے۔ پس یہ عقود پسندیدہ عقود اور اسباب صالحہ میں داخل نہیں ہیں بلکہ اصل حکمت مدینہ کے اعتبار سے ایسے عقود باطل اور حرام ہیں[1]

سرمایہ داروں کی استبدادی دست درازیوں سے حکمت مدینہ کو حرام اور خبیث معاملات کی تباہی سے بچانا اگر حکومت کا حق اور وظیفہ نہیں ہے تو پھر کون اس کو انجام دے گا۔

سرمایہ داروں کو کیا کرنا چاہیئے | اگر کارخانہ داروں اور سرمایہ داروں نے اسلام کے معاشی اصول وضوابط کو نہیں اپنایا اور جابرانہ روش کو تبدیل نہیں کیا اور محنتکاروں کے ساتھ تعاون اور امداد باہمی کے معاملہ کے روادار نہیں ہوتے تو کوئی بعید نہیں اور کچھ بھی تعجب نہیں ہوگا کہ سرمایہ دار کے تبختر اور بے رحمی کی پاداش میں ملک کے اندر فتنہ اور فساد کا ایسا عظیم انقلاب اٹھے گا کہ سرمایہ دار کو مزدور کی جگہ اٹھا کر کھڑا کر دے اور اسکی جگہ مزدور کو بٹھلائے۔ آج اگر سرمایہ دار زیادہ سے زیادہ نفع اندوزی کا خیال اور حرص چھوڑ دے اور منافع کے قلیل حصہ سے محنت کشوں کو مطمئن کر دے تو اس کے لئے ہزار بہتر ہے تاکہ پُرخطر انقلاب کی گردش سے محفوظ ہو جائے ورنہ اس طرح کی خساست اور بخیلی کی سزا میں سرمایہ دار کے لئے ایسے نوازل کا اہم خطرہ ہے جس سے اس کا تمام سرمایہ بچاؤ نہیں کر سکے گا۔

حافظ اندلس امام شاطبیؒ بدعات مصالح مرسلہ اور استحسان کے مابین فرق کرتے ہوئے پانچویں مثال میں لکھتے ہیں: جب ایسے امام کو جسکی اطاعت واجب ہے، لمبے چوڑے ملک میں دفاع اور سرحدات کی حفاظت اور استحکام کیلئے فوج میں اضافہ کی ضرورت ہے اور بیت المال میں فوج کی ضروریات کی کفالت کی گنجائش نہیں ہے تو عادل امام کا یہ حق ہے کہ ملک کے دولتمند طبقات پر اس قدر محاصل عائد کر دے کہ وقت کی ضروریات کیلئے کافی ہوں اور کسی خاص مالدار طبقہ کو عوائد کیلئے مخصوص اور کسی کو مستثنیٰ نہ کرے تاکہ اس تخصص سے قلوب میں نفرت نہ پیدا ہو۔ اور محاصل کا اسقدر بوجھ نہ ڈالے کہ اسکی مقدار ناقابل برداشت بار ہو جائے۔ اگر عادل امام یہ طریقہ اختیار نہ کرے اور ملک کے متمول طبقات ایسے محاصل کو برضا و رغبت قبول نہ کریں تو یہ خطرہ لاحق ہوگا کہ کسی وقت بھی کفار کے نرغہ میں تمام ملک آجائے، اس وقت جو عظیم مصیبتیں نازل ہوں گی ان کے مقابلہ میں باخبر اور ہوشمند لوگوں کے نزدیک دولتمندوں کی تمام دولت کی بھی

---

[1] حجۃ اللہ البالغۃ باب ابتغاء الرزق

باقی صفحہ ۲۲ پر

علمی بددیانتی | مکتبہ رشیدیہ لاہور سے ایک کتاب دلکش مجلد کی صورت میں شائع ہوئی ہے۔ ملاحظہ میں آئی ہوگی، اس کا نام ہے "بیس بڑے مسلمان"۔ ظاہری حسن کے کیا کہنے ہیں۔ مگر اس میں تالیفی بددیانتی افسوس ناک پائی جاتی ہے اور مضامین کی تحقیق تو بہ کر سکا نہ ضرورت باقی رہی کیونکہ جو دو مضمون حکیم الامتہ حضرت تھانویؒ اور حضرت علامہ سید سلیمان ندوی پر۔ اس میں شامل ہیں انہی سے اس قلمی دیانت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ حضرت تھانویؒ کی سوانح حیات کا پورا حصہ راقم کی معروف کتاب "حیاتِ اشرف" کی نقطاً لفظاً نقل ہے۔ مگر اس پر نام ------ کا ہے جو آج بھی تذکیر و تانیث اور واحد و جمع کے صحیح استعمال پر قادر نہیں۔ مزید برآں حیاتِ اشرف میں میں نے علامہ سلیمان ندوی کا وقیع مقالہ "حکیم الامتہ کے آثار علمیہ" بہ اظہار اسم گرامی شامل کیا ہے۔ مولوی ------ نے حکیم الامتہؒ کی جگہ مجدّد ملت کے لفظی تغیر اور آخر مضمون میں تھوڑے سے حذف عبارت کے ساتھ یہ مقالہ بھی اپنی ہی ذات سے منسوب رہنے دیا ہے۔ کیا داد دی جائے اس جسارت کی۔ ؎ لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں۔

دوسرا مضمون علامہ سلیمان ندویؒ سے متعلق ہے اور مضمون نگار کوئی ------ ہیں۔ اس مضمون کا بیشتر حصہ بھی راقم کی کتاب تذکرہ سلیمان شائع کردہ مجلس علمی کراچی سے ماخوذ ہے اور کہیں کہیں جملے بھی ٹھیک کتاب ہی کے آ گئے ہیں مگر نہ جانے مضمون نگار نے کیوں حوالہ ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ ضرورت ہے کہ اس علمی و قلمی چھینا جھپٹی کی قوت سے مذمت کی جائے تاکہ اصل اہلِ علم و قلم ظلم سے اور کل طبقہ رسوائی سے بچ جائے۔

غلام محمد بی اے۔ کراچی
مؤلف تذکرہ سلیمان و حیاتِ اشرف وغیرہ

الحمدللہ | پرسوں مکہ مکرمہ کے دار المطالعہ گیا جو کہ بنا بر مشہور مقام ورود مسعود فخر موجودات علیہ السلام ہے۔ الحق کے دو تازہ پرچے دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ کہ مہبط جبریل میں سید الکونین ؐ کے الاھل بلغت کا عملی جواب ہے اور ارشاد بلغوا عنی کا مرکز اسلام میں تحریری لبیک ہے جسطرح کہ خود دار العلوم حقانیہ ارشاد نبوی کا ہمہ گیر مجسم امتثال ہے۔

مولانا عبد الحلیم مردانی مدرس دار العلوم حقانیہ از مکہ مکرمہ

برطانیہ میں الحق کا گجراتی ایڈیشن | میں نے یہاں ایک بزرگ کے مشورہ سے جو اردو کے ماہر اور دیوبند و سہارنپور کے تعلیم یافتہ ہیں، ارادہ کیا ہے کہ یہاں انگلینڈ سے ماہنامہ الحق کا گجراتی ایڈیشن ہو جایا کرے۔ جلد نمبر شمارہ نمبر بھی الحق ہی کا ہوگا۔ اور زیر سرپرستی بھی حضرت شیخ الحدیث صاحب ہو اور الحق کے مضامین یو کے میں گجرات والوں کو پیش ہوتے رہیں۔

محمد اعظم ۔ بولٹن ۔ برطانیہ

صدر یحییٰ کیا کریں۔؟ | مکرمی! عزت مآب جناب آغا جنرل یحییٰ خان صدر پاکستان نے قوم سے کئے ہوئے ۲۸ نومبر کے وعدے کو پھر دہرایا تھا کہ "اس سال ۵ اکتوبر کو انتخابات کے انعقاد کے لئے عبوری قانونی ڈھانچہ کا اعلان ۳۱ مارچ کو کر دیا جائیگا۔" یہ اعلان بہت حوصلہ افزا تھا۔ امید کی جاتی ہے کہ صدر محترم اپنے وعدوں کو آخری دم تک نبھاتے رہیں گے۔ یہ قانونی ڈھانچہ کس قسم کا ہونا چاہیئے تھا اس بارے میں میری عرض یہ ہے۔ کہ یہ قانونی ڈھانچہ قرآن اور سنت کی روشنی میں تیار کیا جانا چاہیئے تھا۔ اگرچہ یہ قانونی ڈھانچہ عبوری ہے اور صرف انتخابات کی منزل پُرامن طور پر کرنے اور جمہوری حکومت کی راہ ہموار کرنے کے لئے ہے۔ لیکن جبکہ ہمارا یہ ایمان ہے کہ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ زندگی کے ہر مرحلے میں اس سے رہنمائی حاصل ہو سکتی ہے، اس کا ہم دن رات دعویٰ اور پرچار بھی کرتے ہیں تو کیا اس عبوری دور کے لئے قرآن اور سنت کی روشنی کی ضرورت نہیں ہے۔؟ مجھے یہ یقین ہے کہ اگر موجودہ عبوری قانونی ڈھانچے کے بعد مستقل آئین قرآن اور سنت کی روشنی میں تیار کیا گیا تو موجودہ حالات کے پیش نظر بہترین نتائج پیدا کرے گا۔ کیونکہ اس وقت ہر ایک سیاسی لیڈر اقتدار کی دوڑ جیتنے میں مصروف ہے۔ ہر ایک لیڈر دوسرے لیڈر کو اپنا دشمن تصور کر رہا ہے۔ ایک دوسرے کو بے بنیاد الزامات سے نوازا جا رہا ہے جس سے جلسے جلوسوں میں ہنگامے ہو

جانتے ہیں۔ اگر موجودہ قانونی ڈھانچے کی بنیاد اور مستقل قانون کی بنیاد اسلام ہوتی تو اقتدار ایک سونے کی چڑیا نہ رہتا جسکو حاصل کرنے کیلئے ہر شخص ہوس میں مبتلا ہے۔ بلکہ یہ خدا کے سامنے جوابدہی کی ایک کٹھن منزل اور بھاری ذمہ داری ہوتی۔ اس کو حاصل کرنے کیلئے کوئی بھی شخص الیکشن، دھونس اور دھوکا دہی کی کوشش نہ کرتا۔ اور انتخابات امن و امان سے ہوجانے کی ضمانت ہوجاتی۔

دوسری بات یہ ہے کہ انتخابات کے بعد عوام کے منتخب نمائندوں کو جو حکومت قائم کرتی ہے۔ وہ جمہوری ہوگی۔ اس جمہوریت کا نقشہ موجودہ حالات میں "مغربی جمہوریت" کا نظر آتا ہے۔ مغربی جمہوریت کا مزاج یہ ہے کہ اکثریت جو چاہے خواہ وہ غلط ہی کیوں نہ ہو قانون بن جاتا ہے۔ سابقہ تجربہ ظاہر کرتا ہے کہ اسوقت اقتدار حاصل کرنے کے لئے جو سیاسی لیڈر اسلام کا نعرہ لگا رہے ہیں ان میں سے اکثر اقتدار کی کرسی حاصل کرنے کے بعد اپنے وعدے سے منحرف ہوجائینگے۔ اس لئے اسلامی نظام جو اول اور آخر ہمارے لئے نجات دہندہ ہے۔ اس کے پہلے ہی مرحلے میں روبہ عمل لانے میں کیا قباحت ہے؟ میں عوام سے اس سوال کا جواب طلب کرتا ہوں اور صدر محترم سے نہایت مؤدبانہ التماس کرتا ہوں کہ وہ میری معروضات پر غور فرمائیں۔ اس سلسلہ میں مجھے الحق اپریل کے نقش آغاز سے حرف بحرف اتفاق ہے جس میں میرے جذبات کی تفصیلی ترجمانی ہوگئی ہے۔

(محمد یوسف عاجز منڈو آدم۔ ضلع سانگھڑ)

صدر یحیٰی اس فیصلہ پر نظر ثانی کریں | ہم حجاز میں مقیم پاکستانیوں نے نہایت افسوس سے سنا ہے کہ پاکستان گورنمنٹ مکہ، مدینہ اور جدہ میں اپنے شفاخانوں کو مستقل طور پر بند کر رہی ہے اور صرف موسم حج کے دوران ایسے شفاخانے کھولے جائیں گے۔ شاید یہ قدم پاکستانی سفارتخانہ کے غلط مشورہ سے اٹھایا گیا ہے حالانکہ پاکستان کے پروپیگنڈہ عالم اسلام سے رابطہ اور حاجیوں و زائرین کی خدمت کے لحاظ سے یہ شفاخانے نہایت ضروری تھے۔ ہزاروں سعودی اور وہاں مقیم پاکستانی ان شفاخانوں سے فائدہ اٹھا رہے تھے۔ اگر مالی لحاظ سے بچت مقصود ہے تو موسم حج میں نئے سرے سے مکانات حاصل کرنے پر بھی سال بھر کے کرایہ سے زیادہ خرچہ آئے گا۔ ہندوستان کا مستقل شفاخانہ مکہ معظمہ میں قائم ہے اور ہر سال موسم حج میں مزید چار شفاخانے کھولتا ہے۔ اگر یہ قدم ان شفاخانوں کے کسی میڈیکل آفیسر کے غلط رویہ یا بداخلاقی کی وجہ سے اٹھایا گیا ہے تو بجائے اس کے ایسے ڈاکٹروں کو سزا دینی چاہیئے تھی نہ کہ شفاخانے بند کردئے جاتے۔ بہرحال ہر لحاظ سے یہ قدم نہایت افسوسناک ہے۔ ہم پاکستانی مسلمان صدر یحیٰی سے اپیل کرتے ہیں۔ کہ اس فیصلہ پر نظر ثانی فرما کر احکام صادر فرماویں۔

اے ٹی ایم ذکریا ابراہیم مدینہ منورہ۔ پی او بی ۲۳۶

ناظم دار العلوم

احوال و کوائف دار العلوم

حضرت مہتمم صاحب کے اسفار | ۱۶ر مئی بروز ہفتہ حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہٗ ڈھاکہ کی سیرت کمیٹی کی دعوت پر ڈھاکہ تشریف لے گئے۔ ایڈیٹر الحق کے علاوہ مولانا قاری سعید الرحمان صاحب صاحبزادہ مولانا عبدالرحمان کاملپوری مرحوم بھی آپ کے ساتھ تھے۔ ۱۷ر مئی بعد از نماز مغرب ڈھاکہ کی وسیع اور شاندار جامع مسجد بیت المکرم میں جلسہ سیرت سے سیرت کے موضوع پر خطاب فرمایا۔ اس دن ڈھاکہ کے نواح میں دار العلوم مدنیہ جاترا باڑی میں درس دیا یہ مدرسہ ابھی چند ماہ قبل حضرت مولانا درخواستی مدظلہٗ کے بابرکت ہاتھوں سے قائم ہوا ہے اور اساتذہ و اراکین کی مخلصانہ کوششوں سے بہت جلد ترقی کر گیا ہے۔ دوسرے دن بروز پیر آپ میمن سنگھ تشریف لے گئے۔ مقامی علماء و معززین دار العلوم میمن سنگھ کے اساتذہ، طلبہ چشم براہ تھے۔ نماز عصر سے قبل دار العلوم میمن سنگھ میں طلبہ کی خواہش پر مدرسہ میں فضیلتِ علم پر درس دیا اور بعد از نماز عصر شہر کی سب سے بڑی مسجد میں سیرت مطہرہ پر خطاب فرمایا ڈھاکہ میں مولانا خواجہ انیس اللہ صاحب خواجہ عبدالرحمان صاحب۔ جناب مصطفیٰ احسن فردوسی صاحب۔ جناب مجتبیٰ صاحب۔ جناب احسان کبیر صاحب وغیرہ حضرات کی خواہش پر ان کے دو لتکدوں پر بھی مختصر قیام کیا اور بعض مقامات پر مخصوص اور منتخب مجالس میں بھی سیرت مطہرہ پر گفتگو رہی۔ مولانا محی الدین خان صاحب ایڈیٹر مدینہ و نیا زمانہ اوّل تا آخر میزبانی میں پیش پیش رہے۔ بروز منگل ۱۹ر مئی اکوڑہ خٹک مراجعت ہوئی۔ یکم مئی کو آپ قاری محمد آصف صاحب قاسمی کی دعوت پر جامعہ قاسمیہ کراچی کے اجتماع میں شرکت کرنے کراچی گئے اور ۲-۳ر مئی کو بعد از نماز عشاء مدرسہ کے اجتماعات سے خطاب فرمایا۔ ۹ر مئی بعد از نماز عشاء اسلام آباد کی انجمن تعلیم الاسلام کے زیر اہتمام جلسۂ سیرت میں تقریر فرمائی۔

تعمیراتِ دار العلوم | دار العلوم کے مشرقی جانب احاطۂ تالاب میں تعمیرات کا مسئلہ مدت سے زیر غور ہے۔ رہائش طلبہ اور مدرسہ تعلیم القرآن کے لئے مزید عمارت کی شدید ضرورت کے پیش نظر پچھلے چند ماہ سے اس احاطہ میں اللہ کے بھروسہ پر تعمیر کا سلسلہ شروع کر دیا گیا ہے۔ تالاب کے حصہ میں دار الاقامہ سے متعلق نچلی منزل کا کچھ حصہ مکمل ہو چکا ہے۔ اب اوپر تعلیم القرآن (مڈل سکول) کیلئے تعمیر کا کام جاری ہے۔ اسطرح احاطۂ تالاب کی نئی عمارت میں مزید پچاس طلبہ کے لئے گنجائش نکل آئی ہے جو اب تک درسگاہوں وغیرہ میں نہایت تکلیف سے قیام پذیر تھے۔ اسکے علاوہ پرانے دار الاقامہ کے مغرب میں بھی دار الاساتذہ کی شکل میں ایک الگ بلاک بن چکا ہے۔ ان تعمیرات پر پچھلے چند ماہ میں تقریباً ۲۵ ہزار روپیہ خرچ ہو چکا ہے جبکہ ابھی تعمیری ضروریات کا کافی حصہ اہل خیر کی نگاہِ تعاون کا محتاج ہے۔